لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النور
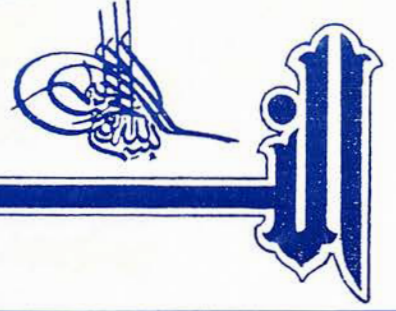
جماعتہائے احمدیہ امریکہ

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ
وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔

" اے میرے خدا یہ چاند امن و امان اور صحت و سلامتی کے ساتھ
ہر روز نکلے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے

O Allah, may this moon appear among us with peace, faith, security, and the spirit of submission. O moon, my Lord and your Lord is Allah

THE AHMADIYYA GAZETTE IS PUBLISHED BY THE **AHMADIYA MOVEMENT IN ISLAM,** INC., AT THE LOCAL ADDRESS 31 Sycamore St. P. O. Box 226, Chauncey, OH 45719. **PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO 45719.**

Postmaster: Send address changes to:

THE AHMADIYYA GAZETTE
P. O. Box 226
Chauncey, OH 45719-0226

القرآن الحکیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲﴾
الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿۳﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۴﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ﴿۵﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۶﴾
اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿۷﴾
فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۸﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۹﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۱۰﴾
اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۱۱﴾
الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۲﴾
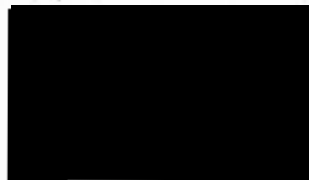
(میں) اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)
(کامل) مومن اپنی مراد کو پہنچ گئے۔
وہ (مومن) جو اپنی نمازوں میں عاجزانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔
اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔
اور جو زکوٰۃ (باقاعدہ) دیتے ہیں۔
اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک اُن کے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں۔
پس ایسے لوگوں کو کسی قسم کی ملامت نہیں کی جائے گی۔
اور جو اس کے سوا کسی اور بات کی خواہش کریں تو وہ لوگ زیادتی کرنے والے ہوں گے۔
اور وہ لوگ (یعنی کامل مومن) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں
اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔
یہی لوگ اصل وارث ہیں۔
جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔

جنوری ۲۰۰۰ء
صلح ۱۳۷۹ ہش

نگران
صاحبزادہ مرزا مظفر احمد
امیر جماعت احمدیہ امریکہ

مدیر
سید شمشاد احمد ناصر

فہرست مضامین

پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے فرمائے ہوئے
اخلاق فاضلہ کے متعلق بہترین اسباق

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر تو تمہارے دلوں پر ہے۔ (مسلم)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے تین شخص سفر کو گئے اور راستہ میں رات کو ایک غار میں ٹھہرے۔ اس غار کے منہ کو ایک بڑے پتھر نے ڈھلک کر بند کر دیا اس پر انہوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر سے تب ہی نجات ہو سکتی ہے کہ ہم سب باری باری اللہ تعالیٰ سے اپنی کی ہوئی کسی نیکی کا حوالہ دے کر دعا کریں ان میں سے ایک شخص نے یوں دعا شروع کی۔ کہ اے اللہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں اپنے بال بچوں کو ان سے پہلے کھانا نہ کھلاتا تھا ایک روز بکریاں چراتے چراتے میں دور نکل گیا اور جب واپس آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے میں جانوروں کا دودھ دوہ کر لے گیا تو ان کو سوتا پایا۔ اور میں نے ناپسند کیا کہ اپنے بال بچوں کو ان سے پہلے کچھ کھلاؤں پلاؤں اور ان کو جگانا بھی ناپسند کیا پس میں پیالہ ہاتھوں میں لے ان کے جاگنے کے انتظار میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور بچے بھوک کے مارے میرے قدموں میں چلاتے تھے پھر وہ جاگے تو وہ دودھ پیا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ کام محض تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا تھا تو ہماری یہ مصیبت دور فرما اس پر پتھر تھوڑا سا سرک گیا مگر وہ غار سے نکل نہ سکتے تھے دوسرے نے کہا اے اللہ میرے چچا کی ایک لڑکی تھی مجھے وہ سب سے پیاری تھی میں نے اس سے ہم بستری چاہی۔ مگر اس نے نہ مانا اس کے بعد قحط کا سال آیا وہ مجھ سے مدد مانگنے آئی میں نے ایک سو بیس اشرفی اس شرط پہ اس کو دیں کہ وہ مجھے ہم بستری کرنے دے اس نے مان لیا پھر جب اس سے ہم بستر ہونے لگا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور اس مہر کو ناجائز طور پر نہ توڑ میں یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور روپیہ بھی معاف کر دیا اے اللہ اگر میں نے یہ کام تیری رضامندی کے حصول کے لئے کیا تھا تو یہ مصیبت دور فرما اس پر وہ پتھر تھوڑا سا اور ڈھلک گیا مگر وہ نکل نہ سکتے تھے تیسرے نے کہا کہ اے اللہ میں نے کچھ مزدور کام پر لگائے پھر ان کو مزدوری دے دی سوائے ایک شخص کے کہ وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تھا میں نے اس کے پیسوں کو نفع پر لگایا یہاں تک کہ بہت مال و مویشی اکٹھے ہو گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور اپنی مزدوری مانگی میں نے کہا کہ جو کچھ اونٹ گائیں اور بکریاں اور غلہ تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیری مزدوری میں ہیں۔ اس نے کہا دیکھو مجھ سے ٹھٹھا مت کرو میں نے کہا کہ میں ٹھٹھا نہیں کرتا، سچ سچ یہ سب تیرے ہیں۔ اس پر وہ سب مال و مویشی وغیرہ لے کر چلا گیا اے اللہ اگر یہ کام میں نے تیری رضامندی کے حصول کی خاطر کیا تھا تو تو یہ مصیبت ہم سے دور فرما اس پر وہ پتھر بالکل ڈھلک گیا اور وہ تینوں شخص باہر نکل کر اپنے راستہ پر ہو لئے۔ (بخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں ایک ایک دن میں ستر ستر مرتبہ سے بھی زیادہ۔ (مسلم)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو پھر بھی وہ خواہش کرے گا کہ ایک کی بجائے دو وادیاں ملتیں۔ اور آدمی کے حرص کے منہ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی سوائے اللہ کے نیک بندوں کے۔ (بخاری)

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مدینہ کے رہنے والوں میں سے چند اشخاص نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی ضروریات مانگنی شروع کیں۔ آپ دیتے گئے یہاں تک کہ جو کچھ حضرتؐ کے پاس تھا سب کچھ خرچ ہو گیا تو فرمایا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میرے پاس کچھ ہو اور میں تم کو نہ دوں مگر یاد رکھو کہ جو شخص سوال سے بچنا چاہے اللہ اس کو بچائے گا۔ اور جو لوگوں سے بے پروائی اختیار کرنا چاہے اللہ اس کو بے پرواہ کر دے گا۔ اور جو فقر و فاقہ پر صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر دے گا۔ اور قناعت سے زیادہ وسیع خزانہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ (بخاری)

صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے تمام کام عجیب ہوتے ہیں اور یہ امر مومن ہی کو حاصل ہے کہ اگر اس کو آرام پہنچے تو شکر کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خیر ہی خیر ہے اور اگر مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی بھلا ہی بھلا ہے۔ (مسلم)

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

"میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر تم شاید نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے پس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی روح سے بولتا ہوں۔

ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دیدے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بیخبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے"۔

(روحانی خزائن جلد ۱۸ نزول المسیح صفحہ ۴۰۲)

خطبہ جمعہ

ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی پیروی کرے

یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں اور جو چھپنا چاہتے ہیں ان کو باہر نکالتا ہے اور سب کچھ بنا دیتا ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۹۸ء بمطابق ۱۳؍ نبوت ۱۳۷۷ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

﴿وَاذْكُرِاسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً﴾۔(سورة المزمّل :۹)

یہ آیت جس کی میں نے آج تلاوت کی ہے جیسا کہ اس کے مضمون سے صاف ظاہر ہے یہ اللہ کی یاد میں دنیا سے اپنے کو جدا کرنے کی تلقین ہے۔ تبتّل کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جدا ہو جائے کہ گویا دنیا سے کٹ گیا ہے اور خالصتاً اللہ ہی کے لئے ہو گیا ہے۔ یہاں تبتّل کا یہ معنی نہیں کہ دنیا سے ہر قسم کے تعلقات کاٹ لے۔ مگر ایسے تعلقات رکھے کہ تعلقات کے رہتے ہوئے بھی بظاہر یعنی تعلقات ظاہری طور پر رہیں لیکن دل ہمیشہ مائل بخدا رہے۔ یہ معنی ہے تبتّل کا جو دراصل نبوت کے آغاز سے پہلے شروع ہو جاتا ہے اور اس مضمون کو میں بعض احادیث نبویہ کی روشنی میں آغاز ہی میں کھولوں گا۔

یہ خیال کہ نبی، نبی بننے کے بعد تبتّل کرتا ہے یہ درست نہیں۔ تبتّل کے نتیجے میں نبی بنتا ہے۔ یہ ایک نمایاں فرق ہے جو پیش نظر رہنا چاہئے۔ اور ہر بڑا درجہ خواہ نبوت کا نہ بھی ہو صالحیت کا ہی ہو وہ تبتّل ہی کی ایک سیڑھی ہے اور تبتّل ہی کے ذریعے سے یہ سارے درجے عطا ہوتے ہیں۔ پس اس مضمون سے متعلق میں کچھ احادیث، کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات آج آپ کے سامنے رکھوں گا۔

الحکم جلد ۵۔ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا تو تبتّل ہے۔ تو تبتّل اور توکّل توام ہیں۔ تبتّل کا راز ہے توکّل اور توکّل کی شرط ہے تبتّل اور یہی ہمارا مذہب اس امر میں ہے“۔

توام جڑواں کو کہتے ہیں جیسے جڑواں بھائی جو ایک دوسرے کے ہم شکل ہوں یا جڑواں بچے جو کلیۃً ایک دوسرے سے مشابہ ہوں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تبتّل اور توکّل ہیں۔ جتنا تبتّل دنیا سے کرو گے اتنا ہی لازماً توکّل اللہ پر ہونا چاہئے۔ اور جتنا توکّل اللہ پر ہو اتنا ہی تبتّل کرو گے تو گویا ایک ہی مضمون کے دو نام ہیں تبتّل اور توکّل۔

اس سلسلے میں پہلی حدیث جو میں نے چنی ہے یہ ترمذی کتاب المناقب سے لی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں۔ اَوَّلُ مَا ابْتُدِیَٔ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ النُّبُوَّةِ حِيْنَ اَرَادَ اللّٰهُ كَرَامَتَهٗ وَرَحْمَةَ الْعِبَادِ بِهٖ اَنْ لَّا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا جَآءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ فَمَكَثَ عَلٰى ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّمْكُثَ وَ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلْوَةُ فَلَمْ يَكُنْ شَيْئٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّخْلُوَ۔ اس کا ترجمہ

میرے سامنے رکھا گیا ہے وہ چونکہ درست نہیں تھا اس لئے میں نے وہ ترجمہ نہیں پڑھا۔ اس ترجمے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا نبوت کے حصول کے بعد خلوت نشینی شروع ہوتی ہے ، بالکل برعکس مضمون ہے۔ خلوت نشینی کے نتیجے میں نبوت ملتی ہے۔ اور پھر یہ خلوت نشینی ٹوٹتی کیوں ہے ؟ اس لئے کہ حکماً وہ شخص مجبور کر دیا جاتا ہے کہ اب تمہیں باہر نکلنا پڑے گا۔ پس اس کا ترجمہ یوں بنتا ہے اوّل ما ابتدئ به رسول الله ﷺ من النبوۃ نبوت کا آغاز جس چیز سے ہوا ہے یہ مراد نہیں ہے کہ نبوت کے بعد شروع ہوا ہے۔ آغاز ہی میں ، بچپن ہی میں جس بناء پر نبوت عطا ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خدا کی طرف تبتّل فرما رہے تھے اور اس تبتّل کے بغیر آپ کو نبوت عطا نہیں ہونی تھی کیونکہ تبتّل نبوت کی پہلی شرط ہے اس کے بعد نبوت عطا ہوا کرتی ہے۔

حِیْنَ اَرَادَ اللّٰہُ کَرَامَتَہٗ وَرَحْمَۃَ الْعِبَادِ بہ کہتے ہیں اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ جب تبتّل فرما رہے تھے تو کوئی رؤیا بھی ایسی نہیں ہوتی تھی جو صبح روز روشن کی طرح پوری نہ ہو جاتی ہو۔ تو رؤیا کا آغاز یہ بھی نبوت کی پہلی سیڑھی تھی۔ بعد میں جو الہامات اور مکاشفات کا واضح سلسلہ شروع ہوا ہے اس سے پہلے ایک مزہ چکھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے رؤیائے صالحہ کا سلسلہ جاری فرمایا اور

حضرت عائشہؓ خود تو اس وقت نہیں تھیں مگر لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے یا دیگر صحابہ سے سنا ہوگا کہ حالت یہ تھی کہ رات کو جو دیکھتے تھے صبح جس طرح صبح طلوع ہوتی ہے اسی طرح وہ رؤیا طلوع ہو جایا کرتی تھی۔ بعینہ وہی باتیں صبح ظاہر ہوتی تھیں گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا دل مزید یقین پہ قائم ہو جاتا تھا کہ جس راستے پر میں چلا ہوں وہی درست رستہ ہے اور اللہ اسی رستے پر ملے گا۔

فَمَکَثَ ذٰلِکَ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّمْکُثَ اس حالت پر جتنا اللہ نے چاہا آپ کو ٹھہرائے رکھا۔ وَ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلْوَۃُ اور یہ وہ دور ہے جب آپ کو خلوت بہت پیاری تھی اور خلوت پیاری کر دی گئی آپ کے لئے۔ فَلَمْ یَکُنْ شَیْئٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّخْلُوَ۔ کوئی چیز بھی آپ کو اس سے زیادہ پیاری نہیں تھی کہ آپ علیحدہ رہیں اور دنیا سے قطع تعلق کر لیں۔ غار حرا میں جا کر رہنے کا جو سلسلہ ہے وہ اسی خلوت کی علامت ہے۔ پس غار حرا میں جانے سے پہلے نبوت عطا نہیں ہوئی بلکہ نبوت کی ابتدائی سیڑھیاں تھیں جو چڑھنے کے بعد پھر بعد میں غار حرا آتی ہے اور غار حرا میں جانے کے بعد کچھ عرصہ تک ، جب تک اللہ نے چاہا آپؐ کو علیحدہ رکھا پھر حکماً آپ کو باہر نکالا ہے۔

یہ مضمون تمام سالکوں کے لئے برابر ہے ۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اس نمونے کی پیروی کرے اور اس کو مدنظر رکھ کے پھر اپنا جائزہ لے کہ کس حد تک وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھتا ہے یا بڑھنے کی کوشش کرتا ہے ۔

ایک دوسری حدیث جو مسلم کتاب الزهد و الرقاق سے لی گئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ اس انسان سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار ہو ، بے نیاز ہو، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو ۔ آنحضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے تو نبوت کے بعد گوشہ نشینی ترک کر دی تھی اس لئے یہ مراد نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ختم ہو گئی۔ گوشہ نشینی ترک کی تھی محبت کی خاطر اور حکماً، پھر مجبور کر دئے گئے ہیں کہ گوشہ نشینی ترک کرو اُس وقت آنحضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے گوشہ نشینی ترک کی۔ لیکن اس میں جو باتیں بیان ہوئی

ہیں وہ بھی سیڑھیاں سی ہیں جو درجہ بدرجہ معاملے کو آگے بڑھا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے جو پرہیز گار ہو یعنی بدیوں سے رکنے والا، طبعاً عادتاً نیک مزاج ہو اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، بے نیاز ہو۔ اس لئے اجتناب نہیں کرتا کہ لوگ دیکھیں اور اس کی تعریف کریں، اس سے اجتناب ذاتی ہے اور لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ کس کس چیز سے اجتناب کر رہا ہے۔ اس کے اجتناب کی حالت ہی مخفی رہتی ہے اور وہ اس بات سے بے نیاز ہوتا ہے، کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ دنیا کو پتہ لگ رہا ہے کہ نہیں کہ میں کس چیز سے بچ رہا ہوں، خدا کی خاطر کیا کیا تکلیف اٹھا رہا ہوں۔ جب بے نیاز ہوتا ہے تو پھر گمنامی اور گوشہ نشینی اختیار کرنا اس کا طبعی نتیجہ ہے۔ گوشہ نشینی اس کو دوہرا فائدہ دیتی ہے۔ ایک تو اس کی بے نیازی کی یہ شان ہے کہ وہ گوشہ نشین ہو جاتا ہے اور اس کو کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا کو اس کا کچھ پتہ بھی ہے کہ نہیں۔ دوسرے گوشہ نشینی کے نتیجے میں جس بنا پر وہ دنیا سے الگ ہوا یعنی اللہ کی محبت، اس کو اس کا حق ادا کرنے کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔

اس کے بعد اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی مضمون کو آگے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ طبع جدید میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ اقوال درج ہیں جو ملفوظات کہلاتے ہیں یعنی آپ نے زبانی مجالس میں یہ باتیں کی تھیں جنہیں بعد میں کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ ضروری نہیں کہ بعد میں شائع کیا گیا ہو بہت سے ملفوظات ایسے ہیں جو ساتھ ساتھ الحکم وغیرہ میں مختلف جماعتی رسالوں میں شائع ہو رہے تھے اور اس وجہ سے ان پر یہ سند ہو گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا تھا وہی بات لکھی گئی ہے۔ جو لکھی گئی ہے وہی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد بھی بہت سے ملفوظات شائع ہوئے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں شائع نہیں ہوئے تھے مگر ان کو مختلف راویوں کی سچائی تقویت دیتی ہے اور مختلف راویوں کا آپس میں ان امور پر اتفاق کرنا بتاتا ہے کہ وہ اگرچہ الگ الگ ہیں، مختلف جگہوں کے رہنے والے ہیں مگر ملفوظات کے وقت چونکہ وہ بھی حاضر تھے انہوں نے وہی بات بیان کی ہے جو دوسرے راویوں نے بیان کی ہے۔ اب ملفوظات کا جو حصہ میں آپ کے سامنے پڑھنے لگا ہوں وہ یہ ہے۔

''اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اہل دنیا سے ایک نفرت اور کراہت پیدا ہو جاتی ہے''۔ اب یہ بات تو آپ کو بڑی عجیب سی لگے گی۔ اگر ظاہری نظر سے دیکھیں کہ اللہ سے محبت کے نتیجے میں دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے اور کراہت ہو جاتی ہے۔ اللہ سے محبت ہی کے نتیجے میں دنیا سے سچی رحمت اور شفقت اور محبت کا سلوک انسان کو عطا ہوتا ہے۔ تو یہاں دنیادار اور مادہ پرستوں کا ذکر ہے۔ وہ جو خدا کو چھوڑ کر مٹی چاٹنے والے لوگ ہیں ان سے کراہت پید ہوتی ہے اور وہ کراہت بھی ایک نفرت کا رنگ رکھنے کے باوجود ان لوگوں کو مجبور کر دیا کرتی ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے ہر قربانی کریں۔ تو اصلاح کے لئے کوشش کرنا اس نفرت کے نتیجے میں مدھم نہیں پڑتا بلکہ جتنی زیادہ کراہت ہوتی ہے اتنی زیادہ انسان جدوجہد کرتا ہے کہ ان کو اس گندگی سے پاک وصاف کر دے اور اس گند چاٹنے سے ان کو روک دے۔

یہ وضاحتیں ضروری ہیں ورنہ عام طور پر جو ہمارے اردو دان بھی ہیں وہ بھی سرسری نظر سے پڑھیں تو ان کو ان باریک باتوں کی غالباً سمجھ نہیں آئے گی لیکن جو زیادہ عالم نہیں ہیں سادہ مزاج احمدی ہیں ان کے لئے تو یہ وضاحتیں ضروری ہیں بہرحال۔ ''بالطبع تنہائی اور خلوت پسند آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بھی

یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ اس تنہائی میں ہی پوری لذت اور ذوق پاتے تھے اور ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے بہادر اور شجاع تھے۔ جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت آ ہی جاتی ہے اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ اہلِ دنیا بزدل ہوتے ہیں ان میں حقیقی شجاعت نہیں ہوتی"۔

اب یہ مضمون اسی تبتّل سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکالا ہے اور عام طور پر اس تبتّل کے تعلق میں آپ کو یہ مضمون کہیں اور سنائی نہیں دے گا، کہیں اور آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ صرف یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنہوں نے ایسا شاندار طبعی نتیجہ نکالا ہے تبتّل کا۔ غار حرا میں اب بھی جو جانے والے جاتے ہیں اور جھانک کے دیکھتے ہیں ان کو ڈر لگتا ہے۔ وہ ایسی جگہ ہے اوّل تو اس کا چڑھنا مصیبت اور پھر اکیلے سفر کرنا اور غار میں جا کے بیٹھے رہنا آج کل بھی جو کمزور دل والے ہیں ان کو ڈر لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا کئی کئی دن وہاں جا کر ٹھہر جانا یہ آپؐ کی شجاعت کی علامت ہے۔ آپؐ بہت بہادر تھے۔

پس وہ لوگ جو اندھیروں سے ڈرتے ہیں اور جنوں بھوتوں کا خوف کھاتے ہیں ان کے لئے یہ اسوہ رسول ایک بہت بڑی علامت ہے اس بات کی کہ خدا والے خوفزدہ نہیں ہوا کرتے۔ جب غیر اللہ کا تصور ہی اٹھ گیا ہو تو نقصان کس نے پہنچانا ہے۔ یہ مضمون ہے جو شجاعت اور توکّل کے ساتھ جڑواں بھائیوں کی طرح ہے۔ **دیکھیں جتنا خدا پر اعتماد بڑھے گا جتنا یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ غیر اللہ کا خوف اٹھتا جائے گا اور اگر نہیں اٹھے گا تو مومن کا کام ہے کہ ضرور اس کو توڑے اور اس کو ردّ کرے۔**

یہ میں نے اپنا تجربہ بھی ایک دفعہ بیان کیا تھا، شاید بھول گئے ہوں کچھ لوگ، کسی ضمن میں میں نے بیان کیا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابّا جان اور سارے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے اور میں اپنے گھر کے صحن میں اکیلا سویا کرتا تھا اور بعض دفعہ سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا کیونکہ کہانیاں بھی عجیب وغریب مشہور تھیں کہ ایک جن آیا کرتا ہے کوئی نالے پر اندے بیلنے والی عورت ہے جو چھت پر سے چھلانگ لگا کے آیا کرتی ہے۔ اس قسم کی کہانیاں پرانے زمانے سے چلی آرہی تھیں اس گھر کے متعلق۔ تو ایک دفعہ اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ تو شرک ہے۔ اگر کوئی بلا، کوئی جن نقصان پہنچا سکتا ہے اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ بھی تو ایک شرک کی قسم ہے۔ تو میں کیوں ڈر رہا ہوں، مجھے کیوں نیند نہیں آرہی اسلئے میں نے مقابلہ کرنا ہے اب اس کا۔ اور اپنے آپ پہ سختی کر کے بھی مقابلہ کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مجھے بہادری عطا ہو۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد پھر میں نے خوب نظر دوڑائی کہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے زیادہ ڈرنے والی جگہ ہے۔ ہمارے ہاں ایک چھوٹا سا کمرہ ہوا کرتا تھا اس کمرے کے متعلق بڑی روایتیں تھیں کہ بڑی بلائیں وہاں ہوتی ہیں اور خاص طور پر وہ چمنی کی جگہ جہاں ہوتی تھی جہاں وہ آگ جلائی جاتی ہے اس کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔ تو میں رات کو اٹھا اور دروازہ کھول کے اس کمرے کی چمنی میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اب جو بلاء آنی ہے آجائے اور میں اللہ پر توکّل کرتا ہوں مجھے پتہ ہے کہ کوئی بلاء مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک اللہ نہ چاہے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اتنا سکون ملا ہے آرام سے چلا گیا بستر پر پڑتے ہی نیند آگئی، کوڑی کی بھی پرواہ نہیں رہی۔

تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت کو پڑھتے ہوئے مجھے یہ اپنا ذاتی واقعہ

یاد آگیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شناسا تھے ان باتوں کے۔ باوجود اس کے کہ خود آپ پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا لیکن صاحبِ عرفان تھے، انسانی نفسیات کو سمجھتے تھے۔ تو ہم نے جو چیزیں تلخ تجربوں سے سیکھیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عرفان کی صورت میں روشن تھیں اور یہی وہ مضمون ہے جو آپ غار حرا کے تعلق میں بیان فرمارہے ہیں۔ بے انتہا بہادر تھے اور اللہ پر کامل ایمان اور اللہ پر توکل کرنا اور اس کے نتیجے میں تبتّل جو شروع کی عبارت میں نے پڑھی تھی دیکھیں کس طرح مضمون آپس میں جڑواں ہیں۔ تبتّل اس لئے کیا تھا کہ اللہ پر توکّل تھا اور اللہ سے محبت تھی اور اس کی خاطر تنہائی سے بالکل بے خوفی ہو گئی تھی، کوئی ذرا سا بھی ڈر باقی نہیں رہا۔

"جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت آہی جاتی ہے"۔ یہ تو لازمہ ہے اس کا۔ "اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا"۔ اب یاد رکھو آپ میں سے کون کون بزدل ہے وہ اپنے نفس پہ غور کر کے دیکھ لے۔ مومن صرف جنّات سے ہی بے خوف نہیں ہوتا بلکہ ہر دنیا کی بلاء سے بے خوف ہو جاتا ہے اور بے خوفی کا نسخہ یہ ہے۔ آپ کو طرح طرح کے خوف گھیر لیتے ہیں لوگ مجھے لکھتے رہتے ہیں خطوں میں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں یہ نہ ہو جائے، وہ نہ ہو جائے۔ ان کو میں لکھتا ہوں کہ وہ **دعا کیا کرو کہ** اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔ **اے اللہ ہماری اندرونی کمزوریوں پہ پردہ ڈال دے، جو ہمارے چھپانے کی جگہیں ہیں جن کو ہم چھپانا چاہتے ہیں ان پر اپنا ستاری کا پردہ رکھ لے** وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا **اور ہمارے خوفوں کو امن میں تبدیل فرما دے۔** یہ ایک بہت اچھی دعا ہے جس کو میں نے بارہا آزما کے دیکھا ہے۔

جب بھی اس قسم کے خطرات در پیش ہوں تو دراصل یہ خطرے دو ہی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ کچھ کمزور انسان اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ یہ پردہ پھٹ نہ جائے اگر پردہ پھٹ گیا تو دنیا دیکھے گی۔ تو ایک بڑا خوف اس بات کا رہتا ہے اور اکثر لوگوں کو اس قسم کا خوف لاحق ہوتا ہی ہے کیونکہ انسان کمزوریوں کا پُتلا ہے اور دوسرا خوف وہ اَن دیکھے خطرات ہیں جو باہر سے ان پر حملہ آور ہوتے ہیں کبھی حکومت کی طرف سے، کبھی پولیس کی طرف سے، کبھی بدمعاشوں کی طرف سے، کبھی ڈاکوؤں کی طرف سے، ہر قسم کے خطرات اس کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ملکوں میں یہ روزمرّہ کی زندگی کا دستور بن گیا ہے۔ اب پاکستان سے اکثر جو خط آتے ہیں وہ انہی خطرات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے بچنے کے لئے دعا کے لئے خط آتے ہیں۔ ان کو میں جواباً یہی لکھتا ہوں کہ اس دعا پر غور بھی کرو اور یہ دعا مانگا کرو تو پھر خطرات سے تم بے خوف ہو جاؤ گے۔

اور یہ بے خوفی دو طرح سے نصیب ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ واقعۃً ان خطرات کو ٹال دیتا ہے۔ آپ کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ کس کس موقع پر اللہ کی کس تقدیر نے کیسے کام کیا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک خط آیا اور وہ عجیب سا خط تھا۔ وہ لکھنے والا کہتا ہے اس کے اپنے عزیز دوست کا واقعہ ہے کہ اسے ڈاکو پکڑ کر لے گئے اور بہت سختی اس پر کی اور دھکیلتے ہوئے بندوق کی نوک پر اس کو لے گئے تاکہ اس کو وہاں لوٹ کر وہ قتل بھی کر سکتے تھے، جو بھی کرنا تھا انہوں نے کرنا تھا۔ کہتے ہیں جب وہ لے گئے تو مجھ سے انہوں نے ایک سوال کیا اور وہ سوال یہ تھا کہ تم کون ہو، کس مذہب سے تمہارا تعلق ہے؟۔ اس شخص کو یہ توکل نصیب تھا اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ احمدی کہلانے پر اسے کیا ہوتا ہے۔ اس نے بڑی جرأت سے کہا کہ میں احمدی ہوں اللہ کے فضل سے اور جو تم نے کرنا ہے کرو احمدیت سے میں پھر نہیں سکتا نہ احمدیت کو چھپا سکتا ہوں۔ کہتے ہیں یہ **بات سنتے ہی انہوں نے کہا کہ اچھا تم احمدی ہو تو لو اپنا سامان پکڑو اور چلے جاؤ۔ یعنی چلے جاؤ ان معنوں میں کہ** اس کو دوبارہ آنکھوں پر پٹی باندھی تاکہ پتہ نہ چلے کہ کہاں آیا تھا اور کہاں سے لے جایا جا رہا ہے اور اسے اسی

جگہ واپس چھوڑ گئے جہاں سے انہوں نے اس کو اٹھایا تھا۔ اب اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ توکل کا یہ بھی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف توکّل والے کو اگر نقصان پہنچ بھی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے مجھے دیا تھا اور اسی نے واپس لے لیا، اس نے امتحان لیا تو میں اس امتحان میں کیوں ناکام ہوں اور پھر اللہ اس کو بہت دیتا ہے۔ تو یہ دو طرح سے توکّل ہیں جو اللہ پر یقین کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور تبتّل کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

اب ایک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس ہے ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۶۶۴ طبع جدید سے لیا گیا ہے۔ عنوان اس کا یہ ہے انبیاء اور رسل کی خلوت پسندی۔ فرماتے ہیں "یہ مت سمجھو کہ انبیاء ورسل اپنے مبعوث ہونے کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں"۔ مبعوث ہونے کے لئے درخواست کیسے کر سکتے ہیں وہ تو بھاگتے ہیں دنیا سے اور پتہ ہوتا ہے کہ جہاں مبعوث ہوئے وہاں بے شمار کام اور ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔ ان کو کیسے نبھائیں گے، ان کو نبھانے کی خاطر لوگوں سے ملنا ہے، ہر وقت کی آمد و رفت یہ ساری چیزیں اس بعثت کا طبعی نتیجہ ہیں۔

فرماتے ہیں "ہرگز نہیں۔ وہ تو ایسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں کہ بالکل گمنام رہیں اور کوئی ان کو نہ جانے مگر اللہ تعالیٰ زور سے ان کو حجروں سے باہر نکالتا ہے"۔ اب دیکھیں کیسا جبر کرتا ہے اللہ ان کے اوپر کیونکہ اللہ کو ایسے ہی آدمی چاہئیں۔ جس قسم کا ملازم انسان نے رکھنا ہو اگر وہ صفات مل جائیں تو انسان اس کے انکار کے باوجود بھی کوشش یہی کرے گا کہ میں اسے رکھ لوں۔ ایسی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ لوگوں نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا اور حاکم وقت نے زبردستی وہ ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ تو فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ زور سے ان کو حجروں سے باہر نکالتا ہے۔ ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تو دنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے"۔

اب دیکھیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقویٰ اور صدق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی غیر معمولی محبت کے باوجود باقی نبیوں کا جو حق تھا وہ بھی ادا کرنے سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ ہر نبوت کا خاصہ ہے مگر ان کے درجے ہیں، الگ الگ مقامات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خلوت نشینی کا درجہ سارے نبیوں سے بڑھ کر تھا اور جو عناصر ذمہ دار تھے خلوت نشینی کے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صورت میں بہت زیادہ شدید تھے۔ پس گو تمام نبیوں میں یہ قدر مشترک ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم میں سب سے زیادہ پائی جاتی تھی۔

"ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تو دنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی جو غار حرا میں چھپ کر رہتے اور عبادت کرتے رہتے۔ ان کو کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر کہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف: ۱۵۹)"۔ وہ یہ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ غار حرا سے نکلیں اور سارے بنی نوع انسان کو مخاطب ہو کر کہیں، اے انسانو! اے وہ تمام انسانو! اے تمام بنی نوع انسان اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا میں تم سب کی طرف رسول بنا کے بھیجا گیا ہوں۔ کوئی ایک انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

"آپ کا منشاء یہی تھا کہ پوشیدہ زندگی بسر کریں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا اور آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا اور یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں"۔ اب ایک اور بات بھی پیش نظر رکھ لیں اچھی طرح۔ جو بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔ اب اس میں گہری حکمت ہے۔ وہ آرزو ان کی نیّت کو گندہ کر دیتی ہے اور اپنی بڑائی کی آرزو ان کو ان ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے جو لوگوں کی خاطر انہوں نے قبول کرنی ہوتی ہیں۔ پس جماعت میں یہی حکمت کا نظام رائج ہے۔ **دنیا میں**

اور کوئی ایسی جماعت نہیں جہاں یہ سلسلہ رائج ہو کہ جو شخص بھی اپنے لئے عہدے کی خواہش کرے اس کو ہمیشہ کے لئے عہدوں سے ہٹا دیاجاتا ہے۔ جوشخص اپنے عہدے کے لئے کسی کوکہے کہ مجھے چن لو اور ثابت ہو جائے اس کوآئندہ سے عہدوں کا نااہل قرار دے دیا جاتاہے۔ اب یہ بات عجیب سی ہے کیونکہ دنیا کی کسی ڈیماکریسی میں یہ نہیں ہے۔

ہر ڈیماکریسی میں عہدے کی خواہش اس شخص کے دل سے اٹھتی ہے جو کچھ بننا چاہتا ہے اور جب وہ خواہش کرتا ہے تو پھر پراپیگنڈے کی بھی اجازت ہے۔ پھر وہ پارٹیاں بنتی ہیں جو پھر اس کو منتخب کرتی ہیں اس کے ہم خیال لوگ اکٹھے کئے جاتے ہیں تو اس کو ڈیماکریسی کہا جاتا ہے۔ مگر اس ڈیماکریسی ہی میں برقِ خرمن موجود ہے، وہ آگ موجود ہے جو خرمن کو جلادیا کرتی ہے۔ اس لئے دنیا میں کہیں بھی کوئی ڈیماکریسی نہیں سوائے جماعت احمدیہ کے، جس کو سچی ڈیماکریسی کہتے ہیں۔ وہ جماعت احمدیہ کے سوا دنیا کی کسی جماعت کو نصیب نہیں خواہ وہ سیاسی جماعت ہو خواہ مذہبی جماعت ہو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس ڈیماکریسی کا جو جماعت احمدیہ کو اللہ نے عطا فرمائی ہے جو بھی عہدے کی خواہش کرے گا وہ اس عہدے کا نااہل۔

اب افغانستان پر نظر ڈال لیں یا پاکستان پر، دیکھیں عہدوں کی خواہشوں نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ساری تباہی پاکستان پر خصوصیت کے ساتھ عہدوں کی خواہش کی وجہ سے ہے اور یہی دوڑ ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے کچھ نصیب ہو اور اس دوڑ نے سارے ملک کو گندہ کر رکھا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء کا سلسلہ چنا ہے اس میں ہم سب کے لئے ہمیشہ کے لئے سبق ہے۔ انبیاء کو چننے کے طریق نے ہی دنیا کی عظیم الشان راہنمائی فرمائی ہے جو کوئی دنیا کا فلسفی راہنمائی نہیں کر سکتا تھا، نہ کر سکا ہے۔

"آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا۔ **یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں اور جو چھپنا چاہتے ہیں ان کو باہر نکالتاہے اور سب کچھ بنا دیتاہے۔** پس یقیناً سمجھو کہ میں بھی تنہائی کی زندگی کو پسند کرتا ہوں"۔ اب جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سارے بوجھ ڈال دئے گئے تھے اس وقت بھی آپ کے دل کا عالم یہ تھا کہ سب کے اندر رہتے ہوئے بھی تنہائی کو پسند کر رہے تھے۔ "وہ زمانہ جو مجھ پر گزرا ہے اس کا خیال کر کے مجھے اب بھی لذت آتی ہے"۔ کتنے مزے تھے کہ جب میں اکیلا رہا کرتا تھا۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کسی کی ذمہ داری ادا نہیں کرنی تھی۔ اب دیکھو کیسا ہجومِ خلائق ہو گیا ہے مگر اب سوچتا ہوں پرانی باتیں تو بہت مزہ آتا ہے۔ کیسی پیاری زندگی بسر کر رہا تھا۔

"میں طبعاً خلوت پسند تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے باہر نکالا اور پھر اس حکم کو میں کیونکر رد کر سکتا تھا۔ میں اس نمود و نمائش کا ہمیشہ دشمن رہا لیکن کیا کروں جب اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا تو میں اس میں راضی ہوں اور اس کے حکم سے منحرف ہونا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس پر دنیا کے جو جی میں آئے کہے میں اس کی پرواہ نہیں کرتا"۔ پس وہ جو بے نیازی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے توکّل کے نتیجے میں عطا ہوتی ہے۔ یہ پھر اسی کا ذکر فرمایا ہے کہ جو چاہے دنیا کہتی پھرے مجھے تو کوئی پرواہ نہیں مگر میرے دل کی وہی حالت ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

ایک اور عبارت ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۷ طبع جدید سے لی گئی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، "یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں وہ اس بات کے حریص اور آرزومند نہیں ہوتے کہ لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور اس کی تعریفیں

کریں''۔ ہرگز ان کو کوئی حرص نہیں ہوتی لوگ جمع ہوں اور تعریفیں ہو رہی ہیں، ایک جمگھٹا بن گیا ہے۔ یہ دیکھو یہ بہت بزرگ آدمی ہے، بہت نیک انسان ہے۔ ''وہ دنیا سے الگ رہنے میں راحت سمجھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مامور ہونے لگے تو انہوں نے بھی عذر کیا''۔ کہ اللہ مجھ پہ قتل بھی ہے، میرا بھائی مجھ سے بولنے میں بہتر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں یہ عذر تھا اصل میں۔ چاہتے نہیں تھے کہ ان پر ذمہ داری ڈالی جائے، ان کو دنیا میں بھیجا جائے تو انہوں نے عذر کیا۔

''اسی طرح آنحضرت ﷺ غار میں رہا کرتے تھے وہ اس کو پسند کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ خود ان کو باہر نکالتا ہے اور مخلوق کے سامنے لاتا ہے۔ ان میں ایک حیا ہوتی ہے''۔ یہ حیا کا مضمون پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اسی مضمون کے تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، ''اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ انقطاع تعلقات صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذت اور سرور پاتے ہیں''۔

حیا کیسی ہوتی ہے۔ حیاء اس بات کی کہ ایسے لوگوں کی جب تعریف کی جائے تو وہ اندر ہی اندر دل میں بے حد شرم محسوس کرتے ہیں خواہ وہ سچی تعریف ہو خواہ جھوٹی۔ جھوٹی تعریف کو تو وہ کراہت سے دیکھتے ہیں۔ ایسی بات جو ان میں موجود نہ ہو وہ صاف کہیں گے غلط کہہ رہا ہے مجھ میں نہیں ہے۔ کیونکہ بعض لوگ قابل تعریف باتوں میں ایسی باتیں بھی بعض دفعہ بیان کرتے ہیں جو انبیاء کے نزدیک قابل تعریف نہیں اور وہ نہیں ہوتیں ان میں۔ لیکن لوگ کہتے ہیں تو کہتے ہیں غلط ہے، بالکل یہ بات نہیں۔ مگر اپنی تعریف سے شرما جاتے ہیں۔ اور یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں کہ مخلوق کے سامنے خدا لاتا ہے حالانکہ وہ مخلوق سے شرما رہے ہوتے ہیں اور یہاں شرمانا بدیوں کی وجہ سے نہیں، نیکیوں کی وجہ سے ہے۔

اب دیکھیں کتنا فرق ہے ان دو شرمانے کے انداز میں۔ ایک شخص کو اگر وہ بدیوں سے پر ہو اور اسے باہر ننگا کیا جائے دیکھیں کتنا شرمائے گا۔ انبیاء کا حال بالکل جداگانہ ہے وہ جب خدا کے حکم پر باہر نکلتے ہیں تو بے حد شرماتے ہیں، کنواری دلہن سے بھی بڑھ کر شرماتے ہیں کہ اب تو میری خوبیاں ظاہر کی جائیں گی مجھے لوگوں کے سامنے ان معنوں میں ننگا کیا جائے گا کہ میرے سارے چھپے ہوئے ہُنر اور خوبیاں اور حُسن یہ ان پر ظاہر کر دیئے جائیں گے اور ایسا ہی اللہ کرتا ہے۔

''اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ انقطاع تعلقاتِ صافی چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذت اور سرور پاتے ہیں''۔ تعلقاتِ صافی کیا ہوئے۔ ایسے تعلقات جن پہ دنیا کی نظر ہی نہیں۔ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اور حقیقی محبت رکھتا ہے اس سے تعلق اور اس سے تنہائی اور خلوت کے دوران ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی اور بھی اسے دیکھ رہا ہو۔ صرف وہ ہو، اس کا محبوب ہو بس یہی اس کی زندگی ہو جاتی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کو بیان فرما رہے ہیں۔ تعلقات صافی کو چاہتا ہے جس میں کسی غیر کی آمیزش نہ ہو۔ ''وہ انقطاع تعلقاتِ صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذت اور سرور پاتے ہیں۔ لیکن وہی انقطاع اور صفائی قلب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کو پسندیدہ بنا دیتی ہے''۔

اب جتنا وہ زیادہ علیحدگی میں محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اللہ کو اتنے ہی پیارے لگتے ہیں۔ تو دنیا سے بے نیاز، قطع نظر اس کے کہ کوئی ان کے حسن کو جانتا ہے یا نہیں مجھ پر ہی اپنا حسن کھول رہے ہیں اور میری خاطر فدا ہیں میرے ہی لئے وقف ہیں۔ چنانچہ یہ انقطاع ان کو اور بھی زیادہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ بنا

دیتا ہے۔"اور وہ ان کو اصلاح خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے"۔اس انقطاع کے باعث یہ جانتے ہوئے کہ اپنے نفس کی ان کو ادنیٰ بھی حاجت نہیں ہے کسی نفسانی خواہش کی خاطر یہ کچھ بھی نہیں چاہتے، صرف میرے لئے ہیں جب میرے لئے چاہتے ہیں تو پھر لازماً اللہ جانتا ہے کہ میری مخلوق کا سب سے زیادہ حق یہی ادا کر سکیں گے۔ یہ ہے ان کو نبی بنانے کی مصلحت۔

"وہ ان کو اصلاحِ خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے"۔ برگزیدہ کا ایک عام مفہوم یہ ہے کہ بزرگ انسان، وہ بڑا برگزیدہ آدمی ہے۔ مگر یہاں "اصلاحِ خلق کے لئے برگزیدہ بنے رہتے ہیں ان معنوں میں وہ برگزیدہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی اصلاح خلق کے دوران یہ بھی تو ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ تعلق اللہ سے ٹوٹ کر یا کچھ مدھم ہو کر بنی نوع انسان کی طرف منتقل ہو تا رہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ ان کا تعلق مجھ سے بنی نوع انسان کی تربیت کے دوران کم نہیں ہوگا بڑھتا ہی چلا جائے گا کیونکہ وہ جو تکلیف ہو رہی ہے ان کو وہ اور زیادہ میری طرف کھینچے گی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ جملے بہت ہی گہرے مضمون کے حامل ہیں۔

"وہ ان کو اصلاح خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے جیسے حاکم چاہتا ہے"۔ یعنی کوئی حاکم دنیا کا "جیسے حاکم چاہتا ہے کہ اسے کارکن آدمی مل جاوے اور جب وہ کسی کارکن کو پالیتا ہے تو خواہ وہ انکار بھی کر دے مگر اسے منتخب کر ہی لیتا ہے"۔ دنیا میں بھی اگر کسی حاکم کو ایسا آدمی مل جائے کہ اس کو عہدے سے کوئی لگن نہ ہو اور عہدے سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کو پکڑے گا کہ تُو ہی تو مجھے چاہئے اس لئے اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گا، تمہیں مجبور کروں گا کہ تم یہ عہدہ سنبھالو۔"اسی طرح **اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو مامور کرتا ہے وہ ان کے تعلقاتِ صافیہ اور صدق و صفا کی وجہ سے انہیں اس قابل پاتا ہے کہ انہیں اپنی رسالت کا منصب سپرد کرے**۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے"۔

اب اللہ جبر بھی کرتا ہے تو اپنے پیارے بندوں پر، مگر **ایک قسم کا جبر** جو ہے اس نے اس مضمون کو نرم کر دیا ہے۔ "انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ وہ کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور اسی میں لذت پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی کو ان کے حال پر اطلاع نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ جبراً ان کو کوٹھڑی سے باہر نکالتا ہے پھر ان میں ایک جذب رکھتا ہے اور ہزارہا مخلوق طبعاً ان کی طرف چلی آتی ہے"۔ یہی واقعات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہمیں ملتے ہیں۔ آپ کے صحابہ کی روایات میں ملتے ہیں۔

ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ریتی چھلہ میں جا رہے تھے جو قادیان میں ایک کھلی ریت کی جگہ تھی۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ آپؑ کے ساتھ اس وقت عشاق کا ایک جمگھٹا تھا آگے پیچھے دوڑے پھرتے تھے اور ایک عجیب منظر تھا ان کے عشق کا، ان کی فدائیت کا۔ تو ایک سکھ نکل آیا وہاں سے اس نے کہا "غلام احمد اتوا وہی اے نا جنہوں تیرا پیو میرے نال چھوٹے ہوندے کھلن واسطے ڈاہ دیا کر داسی"۔ یعنی بلےّ بلےّ کیا زمانہ آگیا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تمہارا باپ مجھے تجھ سے کشتی کروایا کرتا تھا اور یہ اس نے نہیں بتایا کہ کون گرایا کرتا تھا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام ہی گراتے ہونگے۔ ورنہ وہ کہتا "میں تینوں ڈھالیا کر داسی"۔ بالکل نہیں کہا "تے ہُن دیکھو جی اے لوگ سارے تیرے نال ٹھٹے پھر دے نے"۔ ان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی بھی پرواہ نہیں تھی کون ٹھٹے پھر دا اے، کیوں ٹھٹے پھر دا اے۔ آپ کو تو تنہائی چاہئے تھی مگر یہی واقعہ ہر نبی کی زندگی میں اللہ تعالیٰ دوہراتا رہتا ہے۔

"اگر خدا تعالیٰ مجھے یہ اختیار دے"۔ یہ اقتباس ملفوظات جلد نمبر ا صفحہ ۳۱۱ طبع جدید سے لیا گیا ہے۔
"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کسی کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں گا"۔ اس سارے کاروبار کے باوجود جہاں تک میرے دل کی تمنا ہے میں خلوت ہی کو اختیار کروں۔ "مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں اُسی نے نکالا ہے"۔ کشاں کشاں جیسے کھینچ کھینچ کے نکالا جاتا ہے۔ "جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔ میں قریب پچیس سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربار شہرت میں کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں"۔

اب آپ کو جتنی بھی روایتیں ملتی ہیں کہ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام مل کر بیٹھا کرتے تھے یہاں تک کہ کھانا بھی باہر کھاتے رہے اس سے اندازہ کریں کہ کتنی مشکل تھی یہ بات لیکن رضائے باری تعالیٰ، اللہ کا حکم ہے اس وقت بھی آپ کی ایک تکلیف کی حالت ہوتی تھی اور ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، یہاں تک کہ روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ جب مل کے بیٹھتے تھے تو ہمیشہ ہنستے کھیلتے خوشیوں کے ساتھ، مجال ہے جو کسی کو ذرا بھی احساس ہو کہ اندر سے یہ شخص کتنی کوفت قبول کر رہا ہے اپنے لئے۔ کتنی مشکل میں سے گزر کر یہ ہمارے دل رکھ رہا ہے مگر رضائے باری تعالیٰ، اللہ نے حکم دیا تھا آپ نے کہا ٹھیک ہے میں حاضر ہوں۔ **"مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں"۔ فرمایا "میں باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے"۔**

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے نشانات براہین احمدیہ میں لکھے تھے ان میں سے سوواں نشان جو براہین احمدیہ کی ایک پیش گوئی ہے اس کے صفحہ ۲۴۱ میں درج ہے اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرمارہے ہیں کہ تمہیں میرے ماضی کے حالات کا پتہ نہیں کیا حالات تھے اور انہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمالیا تھا کہ تمہیں میں ضرور باہر نکالوں گا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس وقت اس کا مضمون سمجھ نہیں آرہا تھا تنہا پسند، علیحدگی میں بیٹھے ہوئے اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہم و گمان بھی نہیں آسکتا تھا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اتنی شہرت دے گا مگر خدا تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس شہرت کے لئے پہلے سے ہی تیاری کی ہوئی تھی۔ ساری تنبیہات موجود تھیں جب وہ وقت آتا تھا اس وقت یاد آتا کہ اللہ تو پچیس سال پہلے مجھے یہ سب کچھ بتا چکا تھا۔

اس مضمون کو آپ یوں بیان فرمارہے ہیں۔ "براہین احمدیہ کی وہ پیشگوئی ہے جو اس کے صفحہ ۲۴۱ پر درج ہے اور پیشگوئی کی عبارت یہ ہے لَا تَيْئَسْ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ رَوْحَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ . يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ . يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ. يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ . وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ دیکھو صفحہ ۲۴۱ براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۱ء"۔ ۱۸۸۲ء میں پہلا ماموریت کا الہام ہوا ہے آپ کو اور مسیح اور مہدی کے منصب پر فائز ہونا بہت بعد کا واقعہ ہے۔ ۱۸۸۹ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے بطور مہدی بیعت لینے کی اجازت فرمائی ہے تو یہ اس سے بہت پہلے کے واقعات ہیں۔ براہین احمدیہ جو چھپی تھی اس میں گویا ان سب باتوں کی پہلے سے پیش گوئی موجود تھی۔ فرماتے ہیں "براہین احمدیہ مطبوعہ ۸۲۔۱۸۸۱ء، مطبع سفیر ہند پریس امرتسر"۔

ترجمہ: یہ ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا ہے۔ "خدا کے فضل سے نومید مت ہو اور یہ بات سن رکھ کہ خدا کا فضل قریب ہے۔ خبردار ہو"۔ خبردار ہو کا مطلب ہے کہ اس بات پر گواہ بن

جاؤاس کو اچھی طرح پلے باندھ رکھو۔ اس کے لئے لفظ خبردار استعمال ہو سکتا ہے۔ خبردار بعض دفعہ خطرناک چیزوں سے بچنے کے لئے استعمال ہو سکتا ہے اور بعض دفعہ اچھی چیزوں کو توجہ سے، غور سے دیکھنے کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے تو یہاں اس کا یہ موقع ہے۔ فرمایا ”خبردار ہو کہ خدا کی مدد قریب ہے۔ وہ مدد ہر ایک راہ سے تجھے پہنچے گی اور ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ ان پر گڑھے پڑ جائیں گے۔ ”خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے مگر چاہئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بد خلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو ان کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ اس پیشگوئی کو آج پچیس برس گزر گئے جب یہ براہین احمدیہ میں شائع ہوئی تھی“۔

مجھے یہ پڑھتے ہوئے ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کہ ’تھک نہ جائے‘ یہ ملاقاتوں کے دوران یاد آتی ہے خصوصاً جلسے کے بعد جو ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اس میں لازم ہے کہ ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملا جائے اور ان کی توقعات کو بھی پورا کیا جائے اور جتنا ملاقاتیں تھکاتی ہیں اتنا سارا جلسہ نہیں تھکاتا۔ کوئی تصنیف کا کام نہیں تھکاتا۔ میں اپنے بچوں کو بعد میں کہا کرتا ہوں کہ اب میں آرام سے بیٹھا ہوں اب مجھے کھانا دو، مجھے پتہ لگے کہ سکون کیا ہوتا ہے اور جن سے مل رہا ہوتا ہوں ان کی جدائی کا غم بھی ہو رہا ہوتا ہے، یہ بھی افسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ جلدی ملاقات ختم کر رہا ہوں، یہ بھی کہیں بد خلقی ہی نہ ہو۔ ان کو تسلی دیتا ہوں، ان کو بتاتا ہوں کہ بہت مجبوریاں ہیں، وقت تھوڑا ہے اس لئے آپ کو رخصت کرنا بھی میری ایک مجبوری ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ ایک عجیب سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس کی خاطر جو آپ کام کرتے ہیں ان میں بعینہٖ وہی مضمون جو پیاروں سے ملنے کا ہے آپ کے دل پر جاری بھی ہو جاتا ہے۔ ان سے ملنے کی محبت، اس کی خوشی، ان کی جدائی کا غم لیکن وہ بوجھ جو دل پر ساتھ ساتھ پڑ رہا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر دے دی تھی اور بعینہٖ یہی حال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ بے انتہا بوجھ اٹھائے ہیں، اتنا کہ ہم آج ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کھانا ان کے لئے خود لے کے آنا، آنے والے سے پوچھنا، اس کو عزت سے بٹھانا اور پھر بہت لمبا عرصہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے کھانا لا کر ان کو پیش کرتے رہے۔ اب یہ بتائیں کہ ایک نبی سے کم کس کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ جو للہ انقطاع اختیار کر چکا ہو صرف اس کو یہ توفیق مل سکتی ہے۔

اب جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے نشان ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ گدھے مولوی، ان کو کیا پتہ کہ انقطاع ہوتا کیا ہے۔ ان کو کیا پتہ کہ رضائے باری تعالیٰ کے نتیجے میں کیسے کیسے متضاد حالات سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور دونوں متضاد حالات بیک وقت سچے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کیفیتیں انبیاء کی کیفیات ہیں اور دنیا کے جہلاء ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر ذرا بھی آنکھیں کھول کر دیکھیں تو ان کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص جس کے یہ حالات ہیں یہ لازماً اللہ کا برگزیدہ نبی ہے اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔

”غرض کچھ بھی تو نہیں تھا اور میں صرف ایک احدٌ مِن النّاس تھا اور محض گمنام تھا“۔ اتنا اقتباس پڑھ کر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

(خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا) میں نے ایک گزشتہ خطبے میں اعلان کیا تھا کہ جب مغرب کی نماز کا وقت ساڑھے چار ہو جائے گا اس وقت جمعہ کے اختتام کے وقت عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوگا۔ اس لئے جب تک ساڑھے چار سے واپس وقت اوپر نہیں جاتا اس وقت تک آئندہ عام نمازیں نہیں مگر جمعہ کی نماز کے بعد عصر کی نماز ساتھ پڑھی جایا کرے گی۔ آج بھی ایسا ہی ہو گا لیکن یاد رکھیں کہ جمعہ کی دو سنتیں فرض ہیں، کم از کم دو سنتیں اس لئے ادا ہو سکیں کہ آپ سب دو سنتیں پڑھ چکے ہوں گے مگر اگر کسی نے گھر پڑھی ہوں تو وہ تکبیر کے دوران ان کو جلدی جلدی سنتیں ادا کر لے تاکہ جو پہلی دو سنتوں کا فرض ہے وہ ادا ہو جائے ورنہ عصر جمع ہو جائے تو پھر مغرب تک سنتیں ادا کرنے کا وقت ہی کوئی نہیں رہتا کیونکہ عصر کی نماز کے بعد مغرب تک پھر کوئی نماز بھی نہیں ہو سکتی۔

◉◉◯◯◯◯◯◯◉◉

جمعتہ الوداع یا جمعتہ الاستقبال

اصل تقدس جمعہ کا ہے یا نمازوں کا؟ بے شمار لوگوں کے لئے ایک فکر انگیز تحریر

"جمعتہ الوداع کے متعلق جو یہ تقدس کا تصور ہے یہ میں نہیں جانتا کب سے شروع ہوا۔ لیکن جمعتہ الوداع کے تقدس کا جو تصور ہندوستان اور پاکستان اور دنیا کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی تاریخ بہت گہری دکھائی دیتی ہے ایک لمبے عرصے سے روایتاً اس تقدس کے قصے چل رہے ہیں۔ اس خیال سے میں نے سوچا کہ اس دفعہ جب رمضان المبارک کے جمعتہ الوداع پر آپ سے بات کروں تو احادیث میں سے اس جمعے کی برکتوں کا ذکر نکال کر بطور خاص تحفہ آپ کے سامنے بیان کروں۔ لیکن بہت علماء بٹھائے، بہت کتابیں حدیثوں کی دیکھیں اشارۃً بھی کہیں جمعتہ الوداع کا ذکر نہیں ملتا۔ جمعہ کی برکتوں سے متعلق مضامین احادیث میں بکثرت ملتے ہیں۔ لیکن ہر جمعے کی برکت سے متعلق وہ مضامین ملتے ہیں مگر یہ تصور کہ گویا مسلمان ایک آخری جمعہ کا انتظار کر رہے ہوں اور اس جمعہ میں برکتیں ڈھونڈنے کے لئے بے چین اور بے قرار ہوں، یہ تصور احادیث نبویؐ میں، سنت میں، کہیں اشارۃً بھی مذکور نہیں۔

ہاں آخری عشرہ کی برکتوں کا ذکر بہت کثرت سے ملتا ہے اور جمعہ کی برکتوں کا سارے سال میں، جہاں بھی، جب بھی، جمعہ آئے اس کی برکتوں کا ذکر ملتا ہے۔ پس یہ بات میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ...... بھائی خواہ وہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے۔ جن کو بدنصیبی سے نماز پڑھنے کی عادت نہیں، جو سال میں ایک ہی مقدس دن کی تلاش میں تھے اور آج اس دن کی خاطر غیر معمولی طور پر (بیوت الذکر) میں اکٹھے ہو گئے ہیں ان تک یہ میری آواز پہنچے گی اور آج پہنچے گی۔ پھر شاید نہ پہنچے کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دوبارہ ان کو پھر (بیوت الذکر) میں آنے کی توفیق ملتی ہے کہ نہیں۔ لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ان کو بتاتا ہوں کہ جمعتہ الوداع کا کوئی خاص تقدس نہ قرآن میں مذکور ہے نہ احادیث میں مذکور ہے۔ نہ سنت سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام کے عمل سے بعد میں ثابت ہے۔ پس جس دن کا آپ نے انتظار کیا تھا وہ تو اس پہلو سے خالی نکلا۔ لیکن جمعتہ المبارک کے تقدس کا بہت ذکر ملتا ہے۔ قرآن میں بھی ملتا ہے۔ احادیث میں بھی ملتا ہے اور یہ ہر جمعہ ہے جو ہر ہفتے آپ کے سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ نمازوں کے تقدس کے ذکر سے تو قرآن بھرا پڑا ہے۔ جمعتہ الوداع تو سال میں ایک دفعہ آتا ہے۔ جمعتہ المبارک ہر ہفتے آتا ہے اور نماز دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے۔ اور اس پانچ مرتبہ آنے والی چیز کا اس کثرت سے قرآن میں ذکر ہے کہ کسی اور عبادت کا اس طرح ذکر نہیں ہے۔ تو برکتوں سے بھرا ہوا نیک اعمال کا خزانہ ہے اس سے تو منہ موڑ لیتے ہو اور سارا سال ایک جمعے کا انتظار کرتے ہو۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس جمعے کی کوئی اہمیت کہیں مذکور نہیں تو کم سے کم اس جمعے سے یہ برکت تو حاصل کر جاؤ، یہ جان لو کہ عبادت ہی میں برکت ہے۔ عبادت ہی میں خدا تعالیٰ کے فضل ہیں۔ عبادت ہی سے اس کی رضا وابستہ ہے۔ عبادت ہی سے دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر وابستہ ہے۔ اور مومن کے لئے عبادت ہر روز پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہے۔ روز مرہ کی زندگی میں جب آپ (بیوت الذکر) کے پاس سے گزرتے ہیں تو اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ (بیت الذکر) بہت بڑی ہیں اور یوں لگتا ہے کہ جیسے بے وجہ اتنی بڑی (بیوت الذکر) بنا دی گئی ہیں۔ لیکن آج وہ دن ہے جب آپ کسی (بیت الذکر) کے پاس سے گزر کے دیکھیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ (بیوت الذکر) سے نمازی چھلک چھلک کر باہر آ گئے ہیں۔ گلیاں بھر گئی ہیں۔ بعض بازار بند کرنے پڑے ہیں۔ لاہور ہو، کراچی ہو یا دنیا کے اور بڑے بڑے شہر، وہاں (بیوت الذکر) کے باہر جو بازار یا ملحقہ گلیاں ہیں وہاں بعض دفعہ دیکھیں گے کہ سائبان لگائے گئے ہیں اور جگہ جگہ بلاک کر کے سڑکوں کو بند کیا گیا ہے کہ آج یہاں نمازی نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ وہ نمازی ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کو توقع ہے کہ ہر روز پانچ وقت جہاں

(بیت الذکر) میسر آئے وہاں جا کر نماز پڑھیں گے۔ اب اس سے آپ اندازہ کریں کہ ایک وہ تصور ہے جو قرآن اور سنت کا ہے عبادتوں کے متعلق، رحمتوں اور برکتوں کے متعلق رضوان اللہ کے متعلق؛ اور ایک وہ ہے جو عام دنیا میں رائج ہے اور...... سمجھتے ہیں کہ یہی ایک گر ہے نجات پانے کا۔ ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

حقیقی نجات خدا کی اطاعت میں ہے اور خدا کی اطاعت عبادت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ عبادت پہلا دروازہ ہے جو اطاعت کے لئے قائم فرمایا گیا ہے۔ اس دروازے سے داخل ہو گے تو پھر ساری اطاعتوں کی توفیق میسر آ سکتی ہے۔ جس نے یہ دروازہ اپنے پر بند کر لیا اس کے لئے کوئی اطاعت نہیں ہے۔ نماز کی اہمیت کے اوپر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اتنا زور دیا ہے اور پھر نماز باجماعت کی اہمیت پر کہ ایک موقعہ پر صبح کی نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اس وقت بھی (صبح کی نماز کے وقت) کچھ لوگ ہیں جو گھروں میں سوئے پڑے ہیں اور اگر خدا کی طرف سے مجھے اجازت ہوتی تو میں یہ باتیں جو نمازی تھے ان کے سروں پر لکڑیوں کے گٹھے اٹھواتا اور ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا۔ مگر مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ میں داروغہ نہیں بنایا گیا۔

اب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر شفیق دل آپ کو دنیا میں ڈھونڈے سے کہاں ملے گا تصور میں نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عزیز علیہ ما عنتم یہ فرما کر فرمایا بالمومنین روف رحیم جب بھی خدا کے بندوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ یعنی اے لوگو! خدا کے بندو! عزیز علیہ ما عنتم اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے یہ خطاب کا پہلا حصہ عام ہے۔ پھر فرمایا جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے بالمومنین روف رحیم وہ تو جیسے اللہ اپنے بندوں پر روف اور رحیم ہے، جیسے اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور بار بار رحم لے کر آتا ہے اس طرح مومنوں پر تو یہ رسول روف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اس رسول کے منہ سے یہ کلمہ نکلا ہے کہ اگر مجھے یہ اجازت ہوتی تو میں لکڑیوں کے گٹھے اٹھوا کر ان نمازیوں کو ساتھ لے کر چلتا اور جو بے نماز ہیں ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا۔

دراصل اس میں ایک پیغام ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو عبادت نہیں کرتے وہ آگ کا ایندھن ہیں اور بہتر ہے کہ اس دنیا میں جل جائیں بہ نسبت اس کے کہ مرنے کے بعد کی آگ میں ڈالے جائیں۔ یہ حقیقی پیغام ہے اور عبادت ہی ہے جس کے ساتھ ساری نجات وابستہ ہے۔ پس وہ لوگ جو آج اس جمعے کی برکت ڈھونڈنے کے لئے جوق در جوق (بیوت) کی طرف آئے ہیں ان کو اندر جگہ نہیں ملی تو باہر گلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سب تک، جن تک بھی یہ آواز پہنچے، میں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ ہماری عبادت روز مرہ کی پانچ وقت کی عبادت ہے۔ اور ہر دفعہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو مومن کا فرض ہے کہ اپنے گھروں کو چھوڑے اور اس بیت کی طرف چل پڑے جہاں سے عبادت کے لئے بلایا جا رہا ہے حی علی الصلوہ حی علی الصلوہ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ پانچ مرتبہ یہ آوازیں سنتے ہو کہ دیکھو نماز کی طرف چلے آؤ۔ نماز کی طرف چلے آؤ۔ کامیابیوں کی طرف چلے آؤ۔ کامیابیوں کی طرف چلے آؤ۔ اور پھر بھی جواب نہیں دیتے۔ پس وہ لوگ جن کو (بیوت) تک پہنچنے کی توفیق ہے اور توفیق کا معاملہ بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں کو توفیق ہے یا نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایک بیماری دوسرے کو دکھائی دے نہیں سکتی۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں وہیں انسان کا قدم رک جانا چاہئے کہ ٹھیک ہے اگر تم بیمار ہو تو تمہارا معاملہ تمہارے خدا کے ساتھ اور ہمارا معاملہ ہمارے خدا کے ساتھ۔ لیکن ہر شخص خود جانتا ہے کہ اسے توفیق ہے کہ نہیں۔ پس جسے بھی توفیق ہے اس کا فرض ہے کہ پانچ وقت (بیوت) میں جا کر عبادت بجا لائے اور اگر پانچ وقت (بیوت) میں نہیں جا سکتا تو جہاں اس کو توفیق ہے وہیں (بیت) بنا لے۔ جہاں اس کے لئے ممکن ہو باجماعت نماز پڑھے یا پڑھائے اور اپنے ساتھ اپنے عزیزوں کو یا دوسروں کو اکٹھا کر لے تاکہ اس کی نمازیں باجماعت ہو جائیں۔ جو شخص اس بات کا عادی ہو جائے گا جس کے دل میں ہر وقت یہ طلب اور بے قراری ہو کہ میری ہر نماز باجماعت ہو جائے اس کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ وہ نمازیں جو باجماعت ممکن نہیں ہوں گی ان کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ اذان دے کر باجماعت نماز کی نیت سے کھڑا ہو جائے گا تو کوئی اور اس کے ساتھ شامل ہونے والا نہ بھی ہو گا تو اللہ آسمان سے فرشتے اتارے گا وہ اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے اور اس کی نماز، نماز باجماعت ہی رہے گی۔ تو یہ وہ برکت ہے جو ہر روز پانچ دفعہ آپ کے سامنے آتی ہے، اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور سال میں ایک دفعہ جو جمعہ آ رہا ہے اس کی طرف توجہ ہے کہ وہی دن ہمارے گناہ بخشوانے کا دن ہے۔ اور کیا پتہ کوئی کس دن مرتا ہے یہ بھی تو سوچو! کیا ضرور جمعے کے معاً بعد بخشوانے کے بعد ہی تم نے مرنا ہے۔ حالانکہ جمعۃ الوداع کے ساتھ کسی بخشش کا ذکر مجھے تو نہیں ملا۔ لیکن اگر ہو بھی تو سال میں جو باقی تین سو چونسٹھ دن پڑے ہیں۔ ان دنوں میں عزرائیل بے کار کب بیٹھتا ہے۔ کیا مقدر اور لازم ہے کہ تم جمعے کے دن بخشش کروانے کے بعد مرو گے!! پس موت تو ہر وقت آسکتی ہے۔ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ کوئی دن مقرر نہیں۔ تو روز مرہ کی پانچ وقت کی نمازیں اس لئے آتی ہیں کہ تم بخشی ہوئی حالت میں، دھلی ہوئی پاک حالت میں یہاں سے روانہ ہو۔

پس اس پہلو سے جماعت کو میں نماز باجماعت کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور وہ دوسرے مسلمان بھائی بھی جو رفتہ رفتہ ہمارے جمعہ میں ٹیلی ویژن کے ذریعے شامل ہو رہے ہیں اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے ان کو بھی میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ خود بھی اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے بھائی بندوں کو، دوسروں کو بھی یہ پیغام پہنچا دیں کہ روز مرہ کی پانچ وقت کی نمازوں کا قیام کرنا، یہ قرآن کریم کے پیغامات کی جان ہے اور اگر....... اس بات پر قائم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تمام دنیا...... کی اصلاح کا ایک ایسا نظام جاری ہو جائے گا جس سے خدا کے فضل سے (دین حق) کو وہ پرانی کھوئی ہوئی ظاہری عظمت اور شوکت بھی مل جائے گی کیونکہ ظاہری عظمت اور شوکت کا اصل تعلق اندرونی روحانی عظمت اور شوکت سے ہے۔ اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال ہو جائے تو ظاہری عظمت نے پیچھے آنا ہی آنا ہے۔ اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال نہ ہو تو ظاہری شوکت کے پیچھے آپ جتنا چاہیں چکر لگائیں کچھ حاصل بھی کرلیں گے تو بے معنی ہوگی، بے روح کے جسم ہوگا۔ خدا کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ پس اپنے اندرونوں کو سنواریں اور اندرونی عظمت کے پیچھے دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ وہ عظمت عطا فرمائے جس کے متعلق خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم تم میں سب سے معزز انسان وہ ہے، سب سے عظیم شخص وہ ہے اور اللہ کی نظر میں ہے جو زیادہ متقی ہو۔ پس تقویٰ کے تقاضے تو عبادت کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

جمعہ کے دن جو برکتوں کا ذکر ملتا ہے وہ میں آپ کے سامنے ایک حدیث سے اس کی مثال رکھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ روایت ابولبابہ بن عبدالمنذر کی۔ سنن ابن ماجہ باب فی فضل الجمعہ سے لی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے پاس اس کی بڑی عظمت ہے اور وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی زیادہ عظمت والا ہے۔"

اب یہ وہی بات ہے کہ جمعۃ الوداع کے علاوہ عیدین کی بڑی عظمت ہے مگر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ عیدین سے زیادہ ہر جمعہ کی عظمت خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس میں پانچ خوبیاں ہیں۔..........

اسی دن وہ ساعت ہے کہ بندہ اللہ سے سوال نہیں کرتا مگر اللہ اسے وہ سب کچھ عطا کرتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام کے متعلق نہیں مانگتا۔ جمعے کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ فیض عام کی گھڑی ہے اس گھڑی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی انکار نہیں ہوتا مگر حرام مطالبے کا۔ حرام دعا کا۔ پس اگر تمہاری دعائیں نیک ہیں تو جمعے کے دن خصوصیت سے دعائیں کیا کرو اور یہ پیغام ان کے لئے ہے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ جمعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ہر وقت کوشش رہتی ہے کہ ان موانع کو جو جمعہ کے رستے میں حائل ہیں یعنی ان روکوں کو جن کی وجہ سے وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے کس طرح دور کریں۔

"اور جمعۃ الوداع کے تعلق میں کہ اس جمعے کا خیال کرو اس جمعے کا انتظار کرو۔ اس دن جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو آخری جمعہ ہوگا، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ

ساری امت محمدیہ میں یہ بات رواج پا چکی ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ وہ لوگ بھی جنہوں نے سارا سال نماز نہ پڑھی ہو' وہ جمعتہ الوداع کے دن اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ (بیوت الذکر) بھر کر اچھل پڑتی ہیں یعنی وہاں سے نمازی چھلک کر باہر نکل آتے ہیں۔ گلیوں میں تمبو تان لئے جاتے ہیں۔ بازار بند ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ایک عظیم منظر دکھائی دیتا ہے عبادت کرنے والوں کا جو دیکھنے میں بہت اثر ڈالتا ہے۔ لیکن جو دردناک پہلو ہے' وہ یہ ہے کہ کہتے تو ہیں کہ خدا کی عبادت کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں اور خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں مگر جمعتہ الوداع کو اس طرح وداع کہتے ہیں کہ جمعوں کو ہی وداع کہہ جاتے ہیں اور جمعوں سے بھی چھٹی' نمازوں سے بھی چھٹی اور اگلے جمعے جا کر دیکھیں تو بازار ہی خالی نہیں' (بیوت الذکر) بھی خالی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور حیرت ہوتی ہے وہ لوگ آئے کہاں سے تھے؟ گئے کہاں؟ جو شمع کا پروانہ ہونے کے دعوے دار تھے۔ پروانے تو ہر رات میں جب شمع جلتی ہے پھر بھی آ جاتے ہیں۔ ان کا عشق تو اس سے ثابت ہے کہ وہ اپنی جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ جل جاتے ہیں مگر ان کی محبت کی شمع نہیں جلتی۔ وہ ہمیشہ روشن رہی ہے' ہمیشہ روشن رہے گی۔ تو یہ کیسی محبت ہے رمضان سے اور جمعتہ الوداع سے کہ آئے اور پھر اس طرح چلے گئے جیسے کبھی کوئی تعلق ہی قائم نہیں ہوا تھا۔ پس یہ ایک جذباتی بات ہے دیکھنے میں بہت ہی اثر پذیر منظر ہے کہ دیکھو کتنا عظیم جمعہ آیا ہے سارے بازار بھر گئے گلیاں بھر گئیں لیکن بعد کے آنے والے جمعہ کا بھی تو خیال کرو جب (بیوت الذکر) بھی خالی ہو چکی ہوں گی۔ وہی چند نمازی جو پہلے آیا کرتے تھے' وہی آئیں گے۔ شاید ان میں بھی کمی آ جائے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ایک مہینہ خوب محنت کی ہے اب چند جمعے آرام بھی تو کر لیں۔ قرآن کریم جو منظر پیش کرتا ہے اس کے پیش نظر جیسا کہ میں نے بیان کیا اول تو جمعہ کا ذکر نہیں ہے۔ ذکر ہے تو رات کا ہے یا ذکر ہے تو سارے رمضان کا ہے۔......

آج جمعتہ الوداع ہے اور میں اس جمعہ کو جمعتہ الاستقبال بنانا چاہتا ہوں۔ یہ فرق ہے دو اصطلاحوں کا جو میں کھول دینا چاہتا ہوں۔ بکثرت ایسے لوگ ہیں جن کو اس جمعہ کا انتظار رہتا ہے جمعتہ الوداع کے طور پر۔ اور ایک میں ہوں جو کہ سارا سال اس کو جمعتہ الاستقبال بنانے کی خاطر میں انتظار کرتا ہوں۔ یہ کیا مسئلہ ہے؟ یہ میں کھول کر بات بیان کر دیتا ہوں کہ وہ لوگ جو جمعہ الوداع سمجھتے ہوئے یعنی اپنے جمعہ کو چھٹی دے دی جائے ہمیشہ کے لئے نیکیوں کو چھٹی دیدی جائے' روزوں کو چھٹی دے دی جائے۔ ذکر الٰہی کو چھٹی دے دی جائے اور اسے وداع کر دیا جائے' اس نیت سے جو لوگ اس جمعہ میں شامل ہوتے ہیں وہ بکثرت ایسے ہیں۔ اگر بکثرت نہیں تو ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کو عام طور پر نہ نمازوں کی توفیق ملتی ہے۔ نہ جمعوں کی توفیق ملتی ہے۔ نہ ذکر الٰہی کی توفیق ملتی ہے۔ نہ نیک باتیں سننے کا موقع میسر آتا ہے۔ نہ نیک صحبتوں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے اپنے ہی ہمجولی ہیں انہی میں پھرتے ہیں۔ ان میں وہ ایک آزادی محسوس کرتے ہیں اور ان کے اوپر ان لوگوں میں بیٹھنے سے کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا جو نیکی کی طرف بلانے والا ہو۔ پس وہ ان کی طرف بہتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ ایک جمعہ ہے جس میں ان کی فطرت نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ یہاں نیکی کی خاطر آئیں اور نیک لوگوں میں بیٹھیں۔ پس ان کا ایک ہی سہارا ہے کہ یہ جمعہ آخر گزر ہی جائے گا نا' وداع کا جمعہ ہے جسے ہم نے رخصت کرنا ہے۔ جس طرح بچے 'ٹاٹا' کہتے ہیں تو یہ لوگ 'ٹاٹا' کرنے آئے ہیں اور ان کو پکڑنے کا میں انتظار کر رہا تھا اس لئے میرے لئے استقبال ہے۔ میں ان لوگوں کا استقبال کرتا ہوں اور اس پہلو سے یہ جمعہ میرے لئے جمعتہ استقبالیہ ہے۔ میں ان کا استقبال کرتا ہوں۔ سارا سال اس انتظار میں رہتا ہوں کہ یہ آئیں اور کچھ تو نیکی کی باتیں ان کے کانوں میں پڑیں۔ کچھ تو آنکھیں کھلیں۔ یہ تضاد ہے ان دو باتوں میں کہ ایک پہلو سے یہ وداع ہے اور ایک پہلو سے استقبال ہے لیکن حقیقت میں تضاد کوئی نہیں' زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔

جمعتہ الوداع کا غلط تصور

پس اگر انسان جن کو بڑا سمجھتا ہو ان کے ساتھ یہاں تک سلوک کرتا ہے۔ اگر واقعتاً خدا پر یقین ہو اور خدا کو حقیقتاً بڑا سمجھتا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ خدا کی بڑائی سے تو مونہہ موڑے رکھے اور خدا کی طرف ہمیشہ روزانہ جب بھی نماز کا وقت آئے پیٹھ پھیر کر دنیا کی طرف چلا جائے اور پھر بھی اس کا خدا پر یقین

قائم اور خدا کو بڑا سمجھ رہا ہے۔ پس یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ کی زندگی ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ جانا پھر وہیں ہے جس خدا نے ہمیں پیدا کیا جہاں سے ہم آئے تھے اور جو نعمتیں ہمیں عطا ہوئیں' اسی خدا نے عطا فرمائیں جو رب العالمین ہے اور ان نعمتوں کے حصول کے باوجود ناشکری کی زندگی تو بہت ہی ناپسندیدہ زندگی ہے۔

ایک طرف دنیا کا انسان جو تمہیں کچھ دے سکتا ہے بسا اوقات نہیں بھی دیتا تو اس کی چوکھٹ پر سر پٹکتے چلے جاتے ہو۔ کتنے سیاستدان ہیں جنہوں نے دنیا کو' واقعتاً اپنے پیچھے چلنے والوں کو کچھ عطا کیا ہے۔ صرف ایک فخر ہی کا احساس ہے۔ یہ یقین ہے کہ ہم بڑے ہیں کیونکہ ہمارا دوست بڑا ہے۔ ہم اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر دیتے کب ہیں کچھ۔ اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے جس نے تمہاری زندگی کے سارے سامان پیدا فرمائے اس کا شکر کا تصور تک تمہارے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی عبادت کو یہ سمجھتے ہو کہ اتنا بوجھ ہے کہ مصیبت پڑ گئی ہے اس لئے سال کا ایک جمعہ بھی اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ چلو سارا سال نہ سہی اس ایک جمعہ سے ہی خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ نہ کوئی خرچ کرنا پڑا نہ کوئی مصیبت اٹھانی پڑی مفت کا یار کمایا گیا اور کیا چاہئے۔

اور دراصل بہت سے علماء بدقسمتی کے ساتھ لوگوں کو اس طرف ان غلط راہوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ خدا تو بڑا رحیم و کریم ہے کیا مصیبت پڑی ہے اس کی راہ میں محنتیں کرنے کی۔ جمعتہ الوداع میں اگر تم چلے جاؤ اور جمعہ کے بعد عصر تک دعائیں کرو تو تمہاری سارے سال کی خطائیں ہی نہیں' ساری زندگی کی خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ پس جمعتہ الوداع کی برکتیں' اس کی عظمتیں بیان کر کر کے وہ بے وقوفوں کی عقلیں مار دیتے ہیں' جو کچھ تھوڑی سی عقل ہے اس کا بھی ستیاناس کر دیتے ہیں اور قرآن کریم کے اس مضمون سے بالکل منافی تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ یاد رکھو عارضی طور پر اگر تم میرے پاس آؤ گے میں سن بھی لوں گا تو یاد رکھنا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ میرے پاس آکر اگر میرے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے تو پھر تم دائمی میرے ہو کر رہو گے۔ لیکن آئے اور چلے گئے یہ قطعی اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنے وقتی فائدے کی خاطر آئے تھے۔ تمہارا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے متعلق فرمایا ینبئکم بما کنتم تعملون اللہ تعالیٰ تمہیں بتائے گا پھر کہ تمہارے اعمال کیا تھے۔ اور آخر دوسری آیت میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اے ایسے انسان انک من اصحاب النار تو آگ کا ایندھن ہے اس کے سوا تیرا کوئی مقدر نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تو یہ نقشہ کھینچ کر آگ کا انجام دکھا رہا ہو اور مولوی کہہ رہے ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ آنحضرت ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرلو پھر جو چاہے کرتے پھرو سب کچھ اجازت ہے۔ اور وہ گناہ جو خدا نہیں بخش سکتا وہ آنحضرت ﷺ بخشوالیں گے۔ یہ تصور جس قوم کو دے دیا جائے اس کا دین بھی گیا۔ اس کی دنیا بھی گئی۔ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

پس بحیثیت احمدی آپ بیدار ہوں۔ اگر آپ نمازیں نہیں پڑھتے رہے تو یہ جمعہ خدا کرے آپ کے آئے مگر آئے گا اس طرح کہ اس جمعہ کے بعد آپ کی کیفیت بدل جائے پھر آپ ہمیشہ خدا ہی کے ہو جائیں یا ہونا شروع ہو جائیں۔ خدا کا ہو جانا تو ایک بہت بڑا کام ہے۔ بہت ہی بڑا دعویٰ ہے لیکن شروع ہو جانا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک سمت میں آپ کچھ قدم اٹھائیں۔ تھوڑا بہت اس کی طرف رجوع کریں تو باقی کام پھر اللہ خود سنبھال لیتا ہے۔ پس میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں سفر بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ آج کے جمعہ کی برکت سے آج اپنے لئے دعائیں کریں۔ ایک اپنے لئے لائحہ عمل تجویز کریں اور اس فکر کے ساتھ آج جمعہ سے فارغ ہوں کہ ہم اس جمعہ کی برکتوں کو باقی سال میں سنبھالنے کے لئے کیا کریں گے۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳مارچ تا ۱۶اپریل ۱۹۹۶ء)

"یہ سارے مضامین سمجھیں اور اس سال یہ فیصلہ کریں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ برائیوں کے شہر کو چھوڑ کر نیکیوں کے شہر کی طرف حرکت شروع کر دیں گے۔ پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جس حال میں بھی تم جان دو گے وہ خدا کے حضور مقبول انجام

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

رمضان سلامت..... سارا سال سلامت

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

" دوسری حدیث میں ہے رمضان سلامت رہا تو سارا سال سلامت رہا۔ اس حدیث میں جو مومن سے توقع ہے کچھ اس کا بھی بیان ہے کہ وہ مومن جو حقیقت میں رمضان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کوئی تقاضا توڑتا نہیں اس کے لئے خوش خبری ہے کہ اس کا آئندہ سارا سال سلامتی سے گزرے گا۔ پس پہلی جو احادیث تھیں ان میں ماضی کے تعلق سے خوشخبری دی گئی تھی یعنی پچھلے جو گناہ ہیں وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ گزشتہ کوتاہیاں جو ہوئیں ان سے صرف نظر فرمایا جائے گا۔ اس لئے فکر نہ کرو اگر رمضان نصیب ہوگیا تو جو کچھ پہلے لغزشیں ہوئیں' کوتاہیاں ہوئیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی معاف فرما دے گا۔ اب اس حدیث میں یہ خوش خبری ہے کہ اگر تم صحیح طور پر رمضان کے تقاضے پورے کرو گے تو رمضان کا مہینہ تمہیں بچالے جائے گا اور تمہارا پورا سال بچادے گا۔

پس تم نے رمضان کے مہینے میں جو رستہ اختیار کیا ہے وہ پورے سال تک کے لئے رمضان سے طاقت پائے گا اور سیدھا رہے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے ہے جیسے کوئی گولی بندوق کی نالی سے نکلتی ہے اگر چھوٹی نالی ہو تو بہت جلدی وہ رستے سے بھٹک جاتی ہے اور جتنی لمبی نالی ہو اتنی زیادہ دیر تک سیدھی نشانے کی طرف حرکت کرتی ہے۔ پس اسی لئے لمبی نالیوں سے دور کے نشانے لئے جاتے ہیں۔ چھوٹی نالیوں سے نزدیک کے نشانے لئے جاتے ہیں۔ پس تیس دن کا جو خدا تعالیٰ نے رمضان رکھا۔ یہ ایک ایسی نالی ہے جس میں اگر آپ سیدھے رہ کر گزریں اور رمضان کے حقوق ادا کرتے ہوئے گزریں تو سارا سال آپ کو سیدھا رکھے گی یہاں تک کہ اگلا رمضان آجائے گا اور پھر اگلے رمضان میں ایک اور نالی میں پھر دوبارہ داخل ہوں گے پھر آپ کو سیدھا کیا جائے گا' آپ کی کجیاں صاف کی جائیں گی۔ تو ساری زندگی پہنچتی ہے اصل میں۔ ایک رمضان کو آپ سلامتی سے گزارلیں تو گویا اگلا سال سلامتی سے گزر گیا اور جب ہر دو رمضان کے درمیان سال سلامتی سے گزرے تو دوسرے معنوں میں ساری زندگی سلامتی سے گزر جائے گی"۔

چاند دیکھنے کی دعا

"ایک ترمذی کتاب الدعوات باب مایقول عندرویہ الھلال میں مذکور حدیث ہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا کرتے۔ اے میرے خدا یہ چاند امن و امان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ یہ جو دعا ہے اس سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی وسیع تر نظر کی طرف خیال متوجہ ہوتا ہے ۔ رمضان کا مہینہ بہت برکتوں والا ہے لیکن رمضان کا چاند جو امن کا پیغام لاتا ہے' جو نیکی کا پیغام لاتا ہے آپ یہ دعا نہیں کرتے کہ اس مہینے کا چاند روزانہ ایسا نکلے۔ آپ فرماتے ہیں اے خدا ہمارا سارا سال ایسا ہو جائے کہ وہ برکتیں جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہیں' وہ امن جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہے' وہ ہمارے ہر روز کے چاند کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ امن اور صحت اور سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی چاند کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرمودات' بعض اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا نشان بنتا ہے تو اچھا لگتا ہے اس کے بغیر اس سے ہمارا ذاتی تعلق کوئی نہیں ہے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو خیر و برکت اور رشد و بھلائی کا چاند بن۔ اس کی عربی یاد کرنا تو مشکل ہو گا لیکن اردو الفاظ یاد رکھیں۔ میں ایک دفعہ پھر دہراتا ہوں۔ جب نیا چاند نکلتا تو آنحضور ﷺ اپنے رب کے حضور یہ دعا عرض کرتے

اے میرے خدا یہ چاند امن و امان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو خیر و برکت

اور رشد و بھلائی کا چاند بن"۔

آخری۔ دعا

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر پر جس دعا کی طرف توجہ دلاتے ہیں اب اتنا سا وقت رہ گیا ہے کہ میں یہ دعا پڑھ کر اس خطبے کو ختم کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں:

"پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ' یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔"

اس لئے روزے میں حائل ہونے والی بیماریوں کا علاج بھی یہ دعا ہے جو اس مہینے میں کثرت سے کرنی چاہئے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور (بہادر) ثابت کر دے"۔

"جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزہ رکھیں گے۔ بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا اسے ہرگز ثواب سے محروم نہ رکھے گا"۔

رمضان نے گزر ہی جانا ہے لیکن

"اس رمضان نے گزرنا ہے مگر ایک بات یاد رکھیں کہ آپ کی اور میری ہم سب کی زندگیوں نے بھی گزر جانا ہے۔ سب سے بڑی غفلت موت کے دن کو بھلانے سے ہے۔ رمضان کو تو آپ وداع کہہ دیں گے۔ مگر یاد رکھیں آپ کی جانیں' آپ کی روحیں بھی ایک دن آپ کو وداع کہیں گی۔ اس وقت ایسے حال میں وداع نہ کہیں کہ حسرت سے آپ ان روحوں کو واپس پکڑنے کی کوشش کریں کہ چلو واپس چلتے ہیں۔ اس دنیا میں دوبارہ گزارتے ہیں' نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ آخری دن آئیں کہ فی الرفیق الاعلیٰ آوازیں بلند ہو رہی ہوں۔ یہ پیغام ہے جو آنحضرت ﷺ کا پیغام ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ اکثر لوگ بھول جاتے ہیں مرنے کو حالانکہ سب سے زیادہ یقینی چیز مرنا ہے۔ جتنے ہم ہیں' سب کے سب نے ضرور مرنا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا بستر پر پڑے ہوں گے یا قتل ہوں گے یا اور ڈوبیں گے' جو بھی صورت ہوگی خدا کے نزدیک لازماً ہم نے مرنا ہے۔ اس لئے زندگی کے چند دن عیش' چند دن کی طغیانیاں' چند دن کی خدا تعالیٰ کی نافرمانیاں' یہ کب تک چلیں گی۔ جب مریں گے تو ضرور حسرت سے مریں گے اور دوبارہ یہ زندگی چاہیں گے۔ مگر یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ یہی زندگی ہے جس کو اگر آپ لیلۃ القدر سے روشن کرلیں تو یہ زندگی پھر اس دنیا میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی ساتھ دے گی۔ اس دنیا میں جس رفیق کو آپ پائیں گے' وہ آپ کو چھوڑے گا نہیں' مرتے وقت اس کے اور قریب ہوں گے' اس سے دور نہیں ہٹیں گے۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ رمضان مبارک کے اس پیغام کو آپ بشدت بڑے غور کے ساتھ اپنی زندگیوں میں جاری کرنے کی کوشش کریں گے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳ مارچ ۹۸ء)

(بقیہ صفحہ ۲۸)

میں معتکفین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھیں کیونکہ وہ جس بات میں مخل ہونگے وہ اللہ اور بندے کے راز و نیاز کی باتیں ہیں اور ایسی راز و نیاز کی باتیں ہیں جن کو وہ خود نہیں کھولنا چاہتا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۱۹۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳ مارچ ۹۸ء)

رمضان کا آخری عشرہ

رمضان کے آخری عشرہ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے ہمیں یہ عشرہ کس طرح گزارنا چاہئے۔ حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"قالت عائشہ رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الاواخر مالا یجتھد فی غیرہ"

(صحیح مسلم کتاب الاعتکاف باب الاجتھاد فی العشر الاواخر من شہر رمضان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ عبادات میں اتنی کوشش فرماتے تھے جو اس کے علاوہ دیکھنے میں نہیں آئی تو رمضان میں وہ کوشش کیا ہوتی ہوگی جو عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے میں بھی نہیں آئی اور آپ کی روایات جو رمضان کے علاوہ ہیں وہ ایسی روایات ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل لرز اٹھتا ہے کہ ایک انسان اتنی عبادت بھی کر سکتا ہے۔ ساری ساری رات بسا اوقات خدا کے حضور بلکتے ہوئے ایک سجدے میں گزار دیتے تھے۔ جس طرح کپڑا انسان اتار کر پھینک دیتا ہے اسی طرح آپ کا وجود گرے ہوئے کپڑے کی طرح پڑا ہوتا تھا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمجھا کرتی تھیں کہ کسی اور بیوی کے پاس نہ چلے گئے ہوں' تلاش میں گھبرا کر نکلتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ایک ویرانے میں پڑا ہوا دیکھتی ہیں اور جوش گریاں سے جیسے ہانڈی ابل رہی ہو' ایسی آواز آرہی ہوتی تھی۔ وہ عائشہ جب گھر کو لوٹتی ہوگی تو کیا حال ہوتا ہوگا۔ کیا سمجھا تھا اپنے آقا اور محبوب کو اور کیا پایا۔ یہ عام دنوں کی بات ہے' یہ رمضان کی بات نہیں ہے۔ عام دنوں میں یہ پایا ہے حضرت عائشہؓ نے۔ آپ گواہی دیتی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری عشرے میں ایسے وقت آتے تھے کہ ہم نے پہلے کبھی دوسرے دنوں میں نہیں دیکھے۔ ان کیفیات کو بیان کرنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ نہ میری طاقت میں ہے نہ کسی اور انسان کی طاقت میں ہے۔ لیکن آپ نے خود ان کیفیات سے کہیں کہیں پردہ اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ میں کس دنیا میں پہنچا ہوا تھا' میں کس دنیا میں بسر کرتا رہا ہوں۔ وہ احادیث بھی ابھی میں آپ کے سامنے کھول کر بیان کرتا ہوں۔ ایک روایت ملتی ہے جس کے متعلق ہماری کتب میں اور بالعموم روایتاً جو معنے بیان کئے جاتے ہیں وہ میرے نزدیک درست نہیں ہیں۔ وہ واقعہ اپنی ذات میں تو درست ہے کہ ایسا ہوا کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں پہلے سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر جو روایت میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس کے ترجمے کو محدود کر دیا گیا ہے اور وہ ترجمہ اس سے بلند اور وسیع تر ہے جو عام طور پر آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:۔

"عن عبداللہ بن عتبہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان النبی ﷺ اجود الناس بالخیر و کان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل و کان جبریل علیہ السلام یلقاہ کل لیلہ فی رمضان حتی ینسلخ یعرض علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن فاذا لقیہ جبریل علیہ السلام کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ"۔

یہ جو آخری حصہ ہے اس میں وہ معنے پوشیدہ ہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور جو عموماً ترجموں میں دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس حدیث سے اجود کا معنی یہ لیا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ سخی غریبوں پر خرچ کرنے میں اور خیر کا یہ معنی لیا گیا ہے دنیا کا مال اور کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے دنوں میں اتنا زیادہ خرچ کیا کرتے تھے جیسے تیز ہوا میں اور بھی تیزی آجائے اور وہ ہوا جھکڑ میں تبدیل ہو جائے۔ یہ معنے دل پسند معنے ہیں مگر اس روایت میں اس موقع پر یہ معنے مناسب نہیں بلکہ اس کے کچھ اور معنے بنتے ہیں۔

جبرائیل ہر رات کو اترا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو تنہا پاتے تھے۔ اس وقت اس روایت کا یہ معنی لینا کہ جبرائیل ایسی حالت میں ملتے تھے کہ آپ سخاوت میں اور لوگوں میں خرچ کرنے میں بہت تیزی دکھایا کرتے تھے۔ وہ وقت ہی ایسا نہیں ہے جس میں باہر نکل کر غریبوں کو ڈھونڈا جائے اور ان پر کثرت

سے خرچ کیا جائے۔ راتیں تو آنحضرت ﷺ اور خدا کے درمیان کی راتیں تھیں۔ ان راتوں میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جبرائیل جب قرآن کریم لے کر آئیں تو آپ کو اس حال میں پائیں یہ ناممکن ہے۔ لیکن اجود کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات امام راغب وغیرہ سے ثابت ہے اور خیر کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات سے ثابت ہے وہ کچھ اور مفہوم بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔

اجود اس شخص کو کہیں گے جو نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ جائے اور خیر حسنہ کو کہتے ہیں صرف مال کو نہیں کہتے۔ ہر بھلی بات جس کی مومن توقع رکھتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ یہ بھلائی مجھے نصیب ہو اسے خیر کہا جاتا ہے۔ پس ان معنوں میں جب اس حدیث کو آپ دوبارہ پڑھیں تو بالکل ایک اور مضمون، ایک نیا جہان آپ کی آنکھوں کے سامنے ابھرے گا۔ آنحضرت ﷺ کو جب بھی جبرائیل نے دیکھا ہے رات کو آپ ان نیکیوں میں غیر معمولی آگے بڑھنے والے تھے۔ تمام کائنات کے وجودوں سے آگے بڑھنے والے تھے جن نیکیوں میں دوسرے لوگ ان میدانوں میں سفر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ رات کو اپنے خدا کی یاد میں غرق ہونے میں سب سے زیادہ تھے۔ رات کے وقت اجود تھے ان معنوں میں کہ ذکر الٰہی میں اپنے آپ کو گم کر دیا اور خیر کے جتنے بھی اعلیٰ پہلو ہیں مال کے علاوہ، ان سارے پہلوؤں میں محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسی تیزی آئی ہوئی تھی جیسے جھکڑ چل رہا ہو۔ یہ حقیقی معنے ہیں اور لغت سے میں نے اچھی طرح دیکھ لئے ہیں۔ یہ موقع نہیں کہ لغت کی تفصیل میں جایا جائے لیکن آپ یقین کریں کہ ہر پہلو سے چھان بین کے بعد میں آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ ان معنوں میں جبرائیل نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جب بھی دیکھا اس حال میں دیکھا ہے۔ ہر نیکی میں اتنی تیزی آئی ہوتی تھی کہ جیسے جھکڑ چل رہا ہو اور یہ تیزی ذکر الٰہی کی تیزی تھی۔ خدا کی ذات میں ڈوب جانے کی تیزی تھی۔

پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کر کے دیکھ لیں تو پھر اندازہ ہو گا کہ کتنی مشکل مگر کتنی لازمی پیروی ہے۔ مشکل تو ہے کیونکہ یہ سفر بہت طویل ہے۔ ایک عام انسان کے اس سفر کی آخری منازل کے لئے تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ چند دن تو ہیں۔ ان دنوں میں اللہ خود قریب آجاتا ہے۔ یہ وہ دن ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی آسان کر دی جاتی ہے۔ پس ان دنوں سے فائدہ اٹھائیں اور ان دنوں کا حقیقی معنوں میں استقبال کریں۔ ان کو وداع کرنے کے لئے نہ رمضان کا وقت گزاریں بلکہ ان کے استقبال کے لئے اپنے بازو دراز کر دیں، اپنے سینے کے در وا کر دیں اور پوری کوشش کریں کہ رمضان کی برکتیں ہر طرف سے آپ کو گھیر لیں اور آپ کے اندر اس طرح داخل ہو جائیں جیسے سورج طلوع ہو جاتا ہے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۳ مارچ ۹۸ء)

نیز فرمایا:۔

ایک حدیث مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۷۵ مطبوعہ بیروت سے لی گئی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمل کے لحاظ سے ان دس دنوں یعنی آخری عشرہ سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے اور محبوب اور کوئی دن نہیں ہیں۔ عمل کے لحاظ سے جو ان دنوں میں برکت ہے ایسے اور کسی عشرے اور کسی دن میں برکت نہیں ہے۔ پس مبارک ہو کہ ابھی کچھ دن باقی ہیں اور یہ برکتیں کلیتاً ہمیں وداع کہہ کر چلی نہیں گئیں۔ آپ ان کا استقبال کریں تو آپ کے گھر اتر کر ٹھہر بھی سکتی ہیں اور یہی حقیقی نیکی کا مفہوم ہے۔ نیکی وہ جو آکر ٹھہر جائے اور پھر رخصت نہ ہو۔

"ان ایام میں خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ نے جس ذکر الٰہی کی تاکید فرمائی ہے وہ ایک ہے تہلیل۔ تہلیل سے مراد ہے لا الہ الا اللہ، دوسرے تکبیر اللہ اکبر، اللہ اکبر، تیسرے تحمید، الحمد للہ، الحمد للہ، تو یہ تین سادہ سے ذکر ہیں جو باسانی ہر شخص کو توفیق ملتی ہے کہ ان پر زور ڈالے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن

بقیہ صفحہ ۲۶

القدر کے ہر پہلو سے استفادہ کریں۔ اپنی راتوں کو بھی صبحوں میں تبدیل کر دیں اور اس دنیا کی راتوں کو بھی صبح میں تبدیل کر دیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ فروری ۱۹۹۵ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۷ اپریل ۹۵ء)

لیلتہ القدر

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز لیلتہ القدر کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"اب بخاری شریف کی ایک حدیث میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ کو لیلتہ القدر رؤیا میں دکھائی گئی فی السبع الاواخر آخری سات دنوں میں۔ یعنی اس سال جو خاص لیلتہ القدر کا طلوع انفرادی طور پر لوگوں پہ ہوا کرتا ہے وہ آخری سات دن سے تعلق رکھتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید فرمائی کہ اگر یہ رؤیا ہیں اور تم سب لوگ ان باتوں میں اکٹھے ہوگئے ہو تو پھر تم آخری سات دنوں میں منظ اس کی تلاش کرو۔ اب آپ کے لئے آخری چھ دن باقی ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ بار بار بھی ہو سکتا ہے یعنی اس لئے کہ صاف پتہ چلا کہ لیلتہ القدر جگہ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی اکیس کو آگئی کبھی تیس کو۔ عام طور پر اکیس، تیئس، پچیس، ستائیس اور انتیس ان راتوں میں آیا کرتی ہے۔ تو ابھی ہمارے پاس کچھ دن باقی ہیں جن میں بعید نہیں کہ اس سال، ان اواخر میں ہی لیلتہ القدر ظاہر ہو۔ پس جن لوگوں نے اس سے پہلے کا رمضان ضائع کر دیا، ان کے لئے خوش خبری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب رمضان کے آخری ہفتے پر متفق ہیں اس لئے جو شخص لیلتہ القدر کی تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ رمضان کے آخری ہفتہ میں کرے۔ عام دستور رسول اللہ ﷺ کا یہ تھا کہ اپنے جاگنے کے ساتھ یعنی آپ کا جاگنا تو ایک معنے بھی رکھتا ہے یعنی وہ شعور خدا تعالیٰ کی صفات کا جو نیا سے نیا رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوا کرتا تھا ان معنوں میں آنحضرت ﷺ ہر دفعہ اور بیدار ہوا کرتے تھے اور ہر شب بیداری کے نتیجے میں آپ کا شعور ان معنوں میں اور بیدار ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ تصور آپ پر نازل ہوتا تھا۔ جو پہلے تصور سے بالا تر تھا۔ ان معنوں میں آپ ہمیشہ ترقی کرتے رہے، ہمیشہ بلند پروازی کرتے رہے۔ ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں کوئی بلند پروازی ایک جگہ ٹھہر جائے کہ جو کچھ میں نے پانا تھا پالیا کیونکہ خدا کی ذات نہیں ٹھہرتی، خدا کی ذات لامتناہی ہے۔ پس جب میں بیداری کی بات کرتا ہوں تو عام انسان کی بیداری نہیں کرتا۔ غور کیا کریں کس کی بات کر رہا ہوں۔ حضرت محمد رسول ﷺ کی ہر شب بیداری آپ کو صفات الٰہیہ کے شعور میں اور بھی زیادہ بیدار کر دیتی تھی۔

پس حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں داخل ہوتے تو کمر ہمت کس لیتے۔ اپنی راتوں کو زندہ کرتے اور گھر والوں کو جگاتے۔ اب دیکھیں وہی الفاظ ہیں جو بیداری کے لئے میں نے کہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں راتوں کو زندہ کرتے۔ پہلے کب آپ کی راتیں مردہ ہوا کرتی تھیں۔ کوئی ایک رات آپ کی زندگی میں ایسی نہیں تھی جس کو آپ مردہ رات کہہ سکیں۔ لیکن رمضان کے اواخر میں، ہر رمضان میں ان زندہ راتوں کو اور بھی زندہ کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ اب گھر والوں کو جگانا ایک جسمانی فعل بھی تو ہے اور یہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہم سب پر فرض ہے کہ ان دنوں میں خاص طور پر اپنے اہل و عیال، اپنے بچوں، بیوی وغیرہ کو تعلیم دیں کہ رمضان کے حق ادا کرنے کے لئے جاگا کرو۔ لیکن آنحضرت ﷺ جب گھر والوں کو بیدار کرتے تھے تو میں سمجھتا ہوں رمضان کے معارف کے سلسلے میں ضرور ان کو نئے معارف عطا فرماتے ہوں گے۔ اب اس پہلو سے جس طرح رسول اللہ ﷺ راتوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اپنے اہل و عیال کی زندگی میں بھی وہ نئی زندگی بھر دیا کرتے تھے۔......

"حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت

ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو اس میں کیا دعا مانگوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تم یوں دعا کرنا:
اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی
کہ اے میرے اللہ تو بہت بخشش کرنے والا ہے۔
تحب العفو تو تو بخشش سے محبت کرتا ہے۔
فاعف عنی پس مجھ سے بھی بخشش کا سلوک فرما۔
اب یہ دیکھنے کی بات ہے۔ بڑی اہم بات ہے کہ کوئی مثبت چیز کی نصیحت نہیں فرمائی گئی۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک منفی دائرے کی دعا ہے کہ جو پہلے گناہ تھے وہ مٹ جائیں اور پہلے گناہوں سے خدا تعالیٰ ہمیں بخشش عطا فرمائے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اس کے بعد اور کیا مانگو۔ امر واقعہ یہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا لیلۃ القدر کا مضمون ہی اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر بخشش ہوئی تو صبح ہوگئی اور جو صبح ہے وہ پھر ایک مثبت دائمی رہنے والی حالت کا نام ہے جو پھر کبھی رات میں تبدیل نہیں ہوگی یعنی انسان کی باقی زندگی اس صبح کی حالت میں کٹے گی۔ تو استغفار کا مضمون سکھایا ہے۔

فرمایا ہے اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ لیلۃ القدر ہے تو پھر بخشش ہی کی دعا کرنا یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ تمہارے پچھلی زندگی کے سارے گناہ باطل کر دے اور ان پر بخشش کی اور رحمت کی چادر ڈال دے تو پھر تم امن میں آگئے ہو۔ تمہیں اس کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پس سب سے پہلے اس دعا پر زور دینا چاہئے کہ اے خدا تو عفو ہے۔ بہت ہی بخشش والا ہے، بخشش سے محبت کرتا ہے، ہم سے بھی یہ سلوک فرما اور بخشش کی طلب کے لئے جو پہلے فیصلہ ہونا ضروری ہے، اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم یہ ناممکن ہے کہ آپ بخشش کے لئے دعا مانگیں اور گناہوں پر اصرار کا عزم ساتھ ساتھ جاری رہے۔ یہ ناممکن ہے دل کی گہرائی سے آپ یہ چاہیں کہ اے خدا میرے گناہ بخش دے اور فیصلہ کریں کہ تو بخش دے، میں نے پھر بھی کرنے ہیں اور نہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ جو ایک منفی پہلو ہے وہ دل میں موجود رہتا ہے۔ خواہ انسان باشعور طور پر اسے سمجھے نہ سمجھے اور اکثر لوگ بخشش کی دعا اس فیصلے کے بغیر مانگتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کیا کیا برائیاں ان کے اندر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سارا سال انہوں نے کیا کیا گناہ کئے؟ کس کس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوئے۔ سب کچھ سمجھنے کے باوجود وہ خالی بخشش مانگتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے ہم نے تو باز نہیں آنا ہم تو نافرمانی پر قائم رہیں گے۔ اس لئے تیرا کام ہے تو بخش، تو بخشتا چلا جا۔ یہ جذباتی باتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی بخشش اگر ہوئی ہے تو رمضان کے بعد کی زندگی بتائے گی کہ بخشش ہوئی تھی کہ نہیں۔ اگر خدا نے بخشا ہے تو ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو جانا چاہئے اور رمضان کے بعد کی حالت رمضان کی ایک رات پر گواہی دینے والی بنے گی"۔
(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ فروری ۱۹۹۶ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

"مگر جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے یہ نہ بھولیں کہ آپ ایک اور لیلۃ القدر کے دور سے گزر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کا زمانہ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے، اولین کو آخرین سے ملانے کا زمانہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے نورانی لمحات نے حضرت مسیح موعود کا وجود روشن نہ کیا ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ آپ کی وساطت سے اور آپ کے فیض سے ہم اولین سے جا ملتے۔ پس آپ کے لئے تو پھر ایک جاری دور ہے لیلۃ القدر کا۔ اس لیلۃ القدر میں آپ ایسی نیکیاں کما سکتے ہیں کہ جب قرآن کا وعدہ آپ کے حق میں پورا ہو کہ آپ دور ہوتے ہوئے بھی زمانی فاصلوں کے لحاظ سے بھی اور جسمانی فاصلوں کے لحاظ سے بھی، پھر بھی اس زمانے کے ایسے قریب کر دیئے جائیں کہ قرآن کا یہ بیان آپ کے حق میں پورا ہو کہ آخرین ہوتے ہوئے آپ اولین سے آملے ہیں۔

پس آپ کے لئے تو لمحات ہی لمحات ہیں۔ ایک سال کا کیا انتظار کرتے ہیں۔ اپنی ساری زندگیوں کو لیلۃ القدر کیوں نہیں بناتے۔ کیونکہ پھر آپ کی زندگیاں ان لمحات سے بھر جائیں گی جن سے باقی لوگوں کی زندگیاں روشن ہوں گی۔ وہ حضرت محمد رسول ﷺ کا فیض آپ کی صحبت میں گزارے ہوئے لمحات سے حاصل کریں گے۔ تو اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ لیلۃ

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

اعتکاف

فخر کائنات سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی ایک جھلک

رمضان کے آخری عشرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "اعتکاف" کی عبادت کا آغاز ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کیسے اعتکاف بیٹھتے' اس کی ایک جھلک حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ میں بیان فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۶۷ مطبوعہ بیروت کی ایک حدیث جو حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ رمضان میں جو اعتکاف ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کیسے اعتکاف بیٹھتے تھے وہ کون سی دنیا تھی جس میں ڈوبا کرتے تھے۔ رمضان میں جب تیزی آتی تھی' اجود ہو جاتے تھے وہ کیا قصہ تھا۔ یہاں ایک جھلکی ہمیں نظر آتی ہے اس بناء پر کہ بعض لوگ اعتکاف میں ذرا اونچی تلاوت کرتے تھے۔ ان کا اونچی تلاوت کرنا ہم پر ہمیشہ کیلئے احسان ہوگیا کیونکہ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے دل کا حال' اس کی ایک جھلک دکھائی دی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ شاید از خود اپنے متعلق نہ بیان کرتے۔ مگر ان لوگوں نے مسجد میں جو تھوڑا سا ایک قسم کا ہلکا سا شور یعنی وہ بھی شور ایسا جو تلاوت کا شور ہے' وہ بلند کیا' تو رسول اللہ ﷺ کے اس تخلیہ میں مخل ہو گئے جو آپ کا اور اللہ کا تخلیہ تھا۔ اس لئے مجھے یہ حدیث بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی تلاوت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی اور اب بھی ہماری (بیوت الذکر) میں شاید اس کی ضرورت پیش آئے۔ مگر اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خلوت کا ایک منظر' ایک جھلکی ہم نے اس حدیث میں دیکھ لی۔

رسول اللہ ﷺ نے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ آپ کے لئے کھجور کی خشک شاخوں کا حجرہ بنا دیا گیا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ رمضان کے دنوں میں (بیت الذکر) کی Capacity کو آپ لوگ جب جانچتے ہیں اور مجھے لکھتے ہیں کہ اس میں اتنے آدمیوں کی Capacity ہے تو اتنوں کو اعتکاف میں بیٹھنے دیا جائے۔ یہ Capacity کا معیار درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حجرہ ایسا تھا کہ وہاں باقاعدہ ایک خیمہ سا بنایا گیا یعنی ایک جھونپڑی سی بنائی گئی اور اردگرد کافی دور تک دوسرے لوگ نہیں تھے۔ ان کی عام عبادتیں رسول اللہ ﷺ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے تخلیہ کی حالت ان پر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ تو وہ مسجد نبوی چونکہ بہت بڑی تھی اس لئے اصل اعتکاف کا حق بڑی (بیت الذکر) میں ادا ہوتا ہے۔ ایسی (بیت) میں جہاں چند عبادت کرنے والے ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں' ایک دوسرے کے معاملات میں مخل نہ ہوں اور اصل عبادت کا تو وہی مزہ ہے جو ایسے اعتکاف میں کی جائے مگر ہمارے ہاں بھرنے پر زور ہے۔ اس لئے اس دفعہ خواتین میں خصوصیت سے جن خواتین کے متعلق کسی حکمت کی وجہ سے ہم نے سمجھا کہ ان کو یہاں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (بیت) میں گنجائش ہونے کے باوجود ان کو جگہ نہیں دی گئی۔ یہ عین سنت نبوی کے مطابق ہے۔ کہ یہ نہیں تھا کہ اگر صحابہ چاہتے تو ساری مسجد معتکفین سے بھر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اجازت کا کیا نظام جاری تھا مگر کچھ نہ کچھ ضرور نظام جاری ہوگا جس کے تابع بعض لوگوں کو توفیق ملتی تھی اور بعضوں کو نہیں ملتی تھی۔ کھجوروں کا ایک حجرہ سا بنایا گیا' ایک جھونپڑی بنائی گئی۔ ایک رات ایسی آئی آپ نے باہر جھانکتے ہوئے فرمایا نمازی اپنے رب سے رازونیاز میں مگن ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرات بالجہر اس طرح نہ کیا کرو کہ گویا دوسرے بھی سن سکیں۔ تو یہ فرض ہے ہر حجرے والے کا جو اعتکاف بیٹھتا ہے کہ اس کے اندر کی آوازیں باہر نہ جائیں یہاں تک کہ تلاوت بھی باہر نہ جائے۔ حالانکہ تلاوت تو کسی عبادت کرنے والے کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئے کیونکہ

عبادت اور تلاوت درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسی آواز میں تلاوت کی آواز بھی باہر نہ جائے کہ دوسرے معتکفین کی راہ میں حائل ہو۔ کیوں ایسا فرمایا۔ ایک راوی بیاضی ہیں جن سے مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت مروی ہے اور بیاضی بیاضہ بن عامر کی طرف نسبت تھی، ان کا اصل نام عبداللہ بن جابر تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی روایت ہے کہ اپنے حجرہ سے باہر دوسروں کی طرف نکل کے آئے یعنی چل کر باہر گئے ہیں۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ فاصلہ ہے بیچ میں۔ جو نماز ادا کر رہے تھے ان کی قرات کی آوازیں بلند تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نمازی تو اپنے رب ذوالجلال سے رازونیاز میں مگن ہوتا ہے۔

اب یہ رازونیاز کی راتیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ گزارا کرتے تھے اور اس رازونیاز کا لطف کیا تھا؟ یہ بھی اگلی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ حدیثیں غلطی سے یہاں ساتھ نہیں رہیں لیکن زبانی میرے ذہن میں جو مضمون ہے، وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اپنے رب سے رازونیاز کیا کرتے تھے تو دنیا کے سارے دوسرے پردے اٹھ جایا کرتے تھے اور آپؐ ایسے غرق ہوتے تھے ذکر الٰہی میں اور اس سے ایسی لذت پاتے تھے کہ اس لذت کا بیان ممکن نہیں ہے۔ وہ حدیثیں اس وقت یہاں نہیں ہیں جو میرے ذہن میں ہیں جن کی وجہ سے میں بتا رہا تھا کہ یہ جو فرمایا کہ ایک محض رازونیاز میں مصروف ہے۔ اس کے رازونیاز میں حائل نہ ہو۔ وہ رازونیاز ایسا تھا کہ اس کے لطف کا کوئی بیان ممکن نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کو اللہ کے ذکر میں اتنا زیادہ مزہ آتا تھا کہ اس مزے کی کیفیت دوسرے الفاظ میں بیان ہو نہیں سکتی۔ عام انسان جب ذکر الٰہی میں لذت پاتا ہے تو بعض دفعہ خود اپنی کیفیت کو دوسرے کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ سے عشق اور محبت میں جو خلا میسر آیا کرتا تھا وہ کیفیت جیسا کہ میں نے پہلے عرض کر دیا تھا ناممکن ہے کہ میں بیان کر سکوں۔ کوئی انسان اسے بیان نہیں کر سکتا۔ ان کیفیات پر رسول اللہ ﷺ کی بعض اور حدیثیں روشنی ڈالتی ہیں مگر اتنا بہرحال یقینی ہے کہ رمضان کی راتوں کے اواخر اور آخری عشرہ

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

بقیہ صفحہ ۲۰

ہوگا اور خدا کی رضا پر جان دو گے مگر لازماً نیکیوں کی طرف حرکت کرنا ہے چاہے گھسٹتے ہوئے کرتے چلے جاؤ۔ ایسا شخص جس کی مثال آپ نے دی وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہے۔ جسم میں طاقت نہیں، موت کے نرغے میں مبتلا ہے اور پھر بھی گھٹنوں کے بل اور کہنیوں کے بل کوشش کر رہا ہے کہ دم نکلے تو خدا کے پاک لوگوں میں نکلے۔ یہ وہ نظارہ ہے جس کے بعد یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف نہ فرمائے۔ پس یہ کیفیت اپنے اوپر طاری کریں تو یہ جمعۃ الوداع آپ کے لئے ایک اور معنے میں جمعۃ الوداع بنے گا۔ یہ بدیوں کے لئے وداع کا جمعہ بن جائے گا نیکیوں کے لئے نہیں۔ ان معنوں میں وداع نہیں رہے گا کہ آپ نے آج پڑھا اور چھٹی ہوئی اور پھر اگلے سال تک آپ کو کسی جمعہ یا نیکی کی توفیق نہ ملی"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ فروری ۹۷ء بحوالہ "الفضل انٹرنیشنل" لندن ۲۸ مارچ تا ۳ اپریل ۱۹۹۷ء)

بقیہ صفحہ ۲۹

نے عظیم کام کئے ہیں اور خدا سے عظیم کاموں کی توفیق پائی ہے ان کی اولادوں کے لئے بھی۔ اپنی اولادوں تک دعا کو محدود نہ رکھیں۔ تمام ایسے بزرگ جن کی اولادیں آج جاری ہیں، احمدیت میں خدمت کی توفیق پا رہی ہیں، اللہ ان کو خدمت کی راہوں پر مستحکم رکھے اور انہی راہوں پر آگے بڑھائے۔ اور جب یہ مریں تو یہ بھی اگلوں کا تقویٰ دیکھتے ہوئے مریں۔ اس دعا کو بھی آپ اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں۔

(میں) تمام احمدیت کی راہ میں تکلیف اٹھانے والوں کو بھی **السلام علیکم اور عید مبارک** کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ بڑوں، چھوٹوں، عورتوں اور بچوں کو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ہر جگہ پرانے پیغامات کو یاد رکھتے ہوئے غریبوں کی خدمت کے خصوصی پروگرام بنائے ہوں گے۔"

(خطبہ عید الفطر فرمودہ بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن مورخہ)

لازوال مسرتوں سے بھرپور عید کیسے منائی جائے؟

عید مناتے ہوئے اس کی لازوال مسرتوں سے کس طرح جھولی بھری جا سکتی ہے' اس بارہ میں حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں۔

"اور آئندہ عید میں بھی میرا وہ پیغام یاد رکھیں کہ آپ کی سچی عید تب ہو گی جب آپ غریبوں کی عید کریں گے۔ ان کے دکھوں کو اپنے ساتھ بانٹیں گے۔ ان کے گھر پہنچیں گے' ان کے حالات دیکھیں گے' ان کی غریبانہ زندگی پر ہو سکتا ہے آپ کی آنکھوں سے کچھ رحمت کے آنسو برسیں۔ کیا بعید ہے کہ وہی رحمت کے آنسو آپ کے لئے ہمیشہ کی زندگی سنوارنے کا موجب بن جائیں۔ ہو سکتا ہے آپ کو پہلے علم نہ ہو کہ غربت کیا ہے اس وقت پتہ چلے اور آپ کے اندر ایک عجیب انقلاب پیدا ہو جائے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ فروری ۹۶ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۵ اپریل ۹۶ء)

"عید کی دعا میں اپنے مظلوم بھائیوں کو تو یاد رکھیں گے آپ' جیسا کہ میں کل کی دعا میں آپ کو تاکید کر چکا ہوں۔ ایک بات میں کہنی بھول گیا تھا کہ عید کی دعا میں اپنی آنے والی نسلوں کو بھی یاد رکھیں کیونکہ جو اچھے کام خدا نے ہماری نسل کو توفیق عطا فرمائی ہے وہ ایک سال یا دو سال کے کام نہیں وہ سینکڑوں سال اپنی تکمیل کے لئے چاہتے ہیں۔ تو یہ دعا کریں کہ اللہ ہماری نسلوں کو راہ راست پر قائم رکھے کیونکہ نسلوں کا انجام ہی ہے جو دراصل ایک نیک آدمی کی کوششوں کا پھل ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی نیک آدمی کی کوششیں اپنی ذات تک محدود رہ کر ختم ہو جائیں اور اس کی اولاد ان نیکیوں کو جاری نہ رکھے تو بڑی محرومی ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا سکھائی ہے۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما الفرقان)

ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا بیوی جب کہے گی تو ازواج میں خاوند شامل ہونگے۔ خاوند جب کہے گا تو ازواج میں عورتیں' اس کی بیوی شامل ہوگی۔ ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا اور ہماری آئندہ نسلوں کے لحاظ سے بھی ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک پہنچا۔ اور آنکھوں کی ٹھنڈک کیا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ دنیا میں ترقی کر جائیں۔ وہ ترقی تو عارضی چیز ہے اور مومن کی آنکھیں محض دنیا کی ترقی سے ٹھنڈی نہیں ہوا کرتیں۔ فرمایا وہ آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما واجعلنا للمتقین اماما کہ ہم متقیوں کے سربراہ کے طور پر تیرے حضور حاضر ہوں۔ جب مریں تو تیری نظر میں متقی کہلانے والے ہوں۔ ایسے متقی جو خود ذات میں متقی نہیں بلکہ جن کی نسلیں متقی ہیں جن کے جلوس سے آگے ہم کھڑے ہیں یا تیرے حضور حرکت کر رہے ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو میں بار بار بیان کر چکا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ایک مصرعہ میں بیان فرماتے ہیں اور حیرت انگیز طور پر دل پر اثر انداز ہونے والا یہ شعر ہے کہ۔

یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا

میں اپنی اولاد کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ ان کو متقی دیکھ رہا ہوں۔ تو یہ ایک بہت ہی ضروری دعا تھی جو میں کل یاد نہیں کرا سکا اور مجھے بھی یاد نہیں آئی۔ تو اس عید کی دعا میں اپنی آنے والی نسلوں کو ضرور یاد رکھیں۔ قیامت تک یہ نیکیوں کے سلسلے جاری رہیں اور وہ لوگ ترقی کرتے چلے جائیں۔ اپنے سے مزید ترقی کی دعا کرنا اگر آپ دل پر غور کریں تو مشکل کام ہے۔ یہ کہنا کہ اگلی نسلیں ہم سے آگے نکل جائیں۔ ایک مشکل دعا ہے مگر جس کو اللہ اور اس کے پیغام سے محبت ہے وہ یہ دعا کرنا سیکھ ہی لیتا ہے۔

پس آئندہ کے لئے یہ دعا کرنا کہ ہماری نسلوں سے بھی بہتر نسلیں پیدا ہوں یہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سچی محبت کی دلیل ہوگا۔ اس لئے دعا یہ کریں اور سلسلے کے جتنے بزرگ ہیں جنہوں

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

ایک اور قسم کی عید

چلو ہم بعض غریبوں کے گھر آج دستک دیں گے۔ ان کو عید مبارک کہیں گے...... اور ان کے ساتھ اپنے سکھ بانٹیں گے

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا عید کے بارے میں ایک اہم ارشاد

''میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آج کے دن امراء اپنے غریب بھائیوں کے گھروں میں جائیں اور وہ تحفے جو آپس میں بانٹتے ہیں ان میں اپنے غریب بھائیوں کو بھی شامل کریں۔ وہ لوگ جن کو خدا نے نسبتاً زیادہ دولت عطا فرمائی ہے' زیادہ تمول کی زندگی بخشی ہے وہ کچھ تحائف لے کر غریبوں کے پاس جائیں اور غریب بچوں کے لئے کچھ مٹھائیاں لے جائیں۔....... غریب بچوں کو دیں تاکہ ایک دن تو ایسا ہو کہ ان کو بھی کچھ نصیب ہو۔ بچوں کے لئے جو ٹافیاں اور چاکلیٹ آپ نے رکھے ہوئے تھے وہ لیں اور بچوں سے کہیں ''آؤ بچو آج ہم ایک اور قسم کی عید مناتے ہیں ہمارے ساتھ چلو ہم بعض غریبوں کے گھر آج دستک دیں گے۔ ان کو عید مبارک دیں گے 'ان کے حالات دیکھیں گے اور ان کے ساتھ اپنے سکھ بانٹیں گے''۔

''اس طرح اگر آپ غریب لوگوں کے گھروں میں جائیں گے اور ان کے حالات دیکھیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بعض لوگ ایسی لذت پائیں گے کہ ساری زندگی کی لذتیں ان کو اس لذت کے مقابل پر ہیچ نظر آئیں گی اور حقیر دکھائی دیں گی کچھ ایسے بھی واپس لوٹیں گے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے ہوں گے اور وہ استغفار کر رہے ہوں گے اور اپنے رب سے معافیاں مانگ رہے ہوں گے کہ اے اللہ! ان لوگوں سے ناواقفیت رکھ کر اور ان کے حالات سے بے خبری میں رہ کر ہم نے بڑے ناشکری کے دن کاٹے ہیں............ آنسوؤں میں وہ اتنی لذت پائیں گے کہ دنیا کے قہقہوں اور مسرتوں اور ڈھول ڈھمکوں اور بینڈ باجوں میں وہ لذتیں نہیں ہوں گی۔ ان کو بے انتہاء ابدی لذتیں حاصل ہوں گی اور زائل نہ ہونے والے بے انتہاء سرور ان کو عطا ہونگے۔ یہ ہے وہ عید جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی عید ہے' یہ ہے وہ عید جو درحقیقت سچے مذہب کی عید ہے۔''

(از خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز الفضل ۲۶ جولائی ۱۹۸۳ء)

رمضان اور حقیقی عید

دین حق ایک عالمگیر مذہب ہے- ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے یہ ایک اسوہ مہیا کرتا ہے- یہ انسان کو خوشی و مسرت اور انسانی وجود کی نشوونما کے تمام سامان مہیا کرتا ہے- عید کیا ہے ؟اگر اس کے متعلق سوچیں تو ہمیں واضح نظر آتا ہے کہ مومنوں کی اصل عید تو اپنی محبوب ہستی خدا تعالیٰ اور اُس کے برگزیدہ رسولؐ سے ہی وابستہ ہے- انسان کو ہر اطمینان اُسی ذات سے تعلق رکھنے میں محسوس ہوتا ہے- خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

''کہ سنو سنو خدا کے ذکر اور اسکی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں''(سورۃ الرعد :29)

پس خدا کو پانے میں ہی حقیقی خوشی ہے اور یہی عید کا فلسفہ ہے اور یہی سبق رمضان المبارک ہمیں دیتا ہے - جس کے بعد عید الفطر آتی ہے- خدا کی خاطر ہم اپنی جائز اور حلال چیزوں کو بھی صرف خدا کے لئے ترک کرتے ہیں اور دن رات اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں- ان عبادتوں کے نتیجہ میں خدا یہ اعلان کرتا ہے کہ میں روزہ دار کی جزا بن گیا ہوں- اس خوشی کے اظہار کے لئے بطور نشان عید کا دن رکھا گیا- مگر یہ عید دنیاداروں کی عید نہیں بلکہ خدا والوں کی عید ہوتی ہے اور وہی اس کی حقیقی خوشیاں پاتے ہیں- غرباء کے گھروں میں جاتے ہیں- بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے ہیں- اجتماعی نماز ادا کرتے ہیں اور تمام مومنین محبت اور بھائی چارہ کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں- عید کی نماز کے لئے حضور ﷺ اتنی تاکید فرماتے تھے کہ :-

''حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ارشاد فرماتے تھے کہ دونوں عیدوں کے وقت سب لوگ بچے اور عورتیں بھی عید پر جائیں''- یہانتک کہ بیمار عورتوں کو بھی عید کے خطبے اور دعا میں شریک ہونے کا حکم ہوتا ہے-

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ آنحضورؐ کے دور میں عید کس طرح منائی جاتی تھی-

عید کے دن اچھے کپڑے پہننا

عید کے دن خوشبو لگانا اور اچھے کپڑے پہننا احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کو ایک خوبصورت جُبّہ تحفے میں بھجوایا تھا کہ آپ اسے عیدین کے موقع پر زیب تن فرمایا کریں-

عید کے دن تفریحی پروگرام

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (عید کے دن) آنحضورؐ تشریف لائے اور دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں- آپؐ نے انہیں منع نہ فرمایا بلکہ حضرت ابو بکرؓ نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضورؐ نے ان کو روکا کہ انہیں کچھ نہ کہو- اس دن حبشی لوگ اپنے روایتی کھیل کھیل رہے تھے- آپؐ نے فرمایا

تم دیکھنا چاہتی ہو؟ کہا ہاں! چنانچہ آپؐ نے حضرت عائشہ کو اپنے پیچھے کھڑا کرلیا اور یہ کھیلیں دکھائیں جب کچھ وقت گزر گیا تو فرمایا۔ تھک گئی ہو۔ کہا 'ہاں' فرمایا جاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

عید کس طرح پڑھتے تھے

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن چند کھجوریں کھا کر نماز کے لئے جاتے تھے۔

حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے تو پہلے نماز سے ابتدا کرتے تھے۔ پھر فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے اور مختلف احکام صادر فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

اہم تحریک خوشی کے موقع پر

تمام مومنین کے لئے یہ ایک عظیم الشان خوشی کا موقع ہوتا ہے اور اس وقت اکثر لوگ جمع ہوتے ہیں۔ لہذا آنحضور ﷺ موقع کی مناسبت سے تحریکات فرماتے تھے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ :۔

آپؐ خطبہ کے بعد عورتوں کی طرف آئے اور حضرت بلالؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے صدقہ کی تحریک کی اور خواتین نے اطاعت کا بے نظیر نمونہ دکھایا اور جس کے پاس جو کچھ تھا وہ حضرت بلالؓ کی چادر میں ڈالتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ کئی عورتوں نے اپنے زیورات بھی آپؐ کی تحریک پر پیش کر دیئے۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

عید کے دن سب چاند نظر آنے کے بعد اونچی آواز سے کثرت سے تکبیراتِ عید دہراتے۔ ایک دوسرے سے ملکر اسے عید مبارک دیتے اور جس راستہ سے جاتے تھے، واپسی پر راستہ بدل کر گھر آتے۔ اور اس طرح عید کا دن خوشی و مسرت سے گزرتا تھا۔

پس ہم سب کو چاہئے کہ عید کی حقیقی خوشیاں حاصل کرنے کے لئے اس دن خدا کے گھروں کو خالی نہ کریں بلکہ پہلے سے زیادہ بھر دیں۔ اور اسی دن غریبوں کے گھروں کو بھی خوشیوں سے بھر دیں اور وہ خوشیاں حاصل کریں جو خدا کی رضا کی خوشیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ولولۂ تبلیغ

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو
جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں
محمود کرکے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

(کلام محمود)

حسین و دلکش اور سادہ و بے تکلف روایات کا امین

احمدیہ کلچر

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب سویڈن)

کسی قوم کا اجتماعی رہن سہن اور تمدن کے نتیجہ میں جو رسوم وعادات ان کے معاشرہ میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ اس قوم کا کلچر کہلاتی ہیں۔ ہم لوگ غیر منقسم ہندوستان میں تھے تو ہمارے معاشرے میں ہند مسلم کلچر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے لمبے راج کے بعد سارے ہندوستان میں ایک خاص قسم کا کلچر رواج پا گیا تھا جس میں اسلامی روایات کا پر تو بھی تھا اور مقامی ہندو کلچر کی باتیں بھی۔ مثلاً اسی کلچر سمجھوتے کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کے دور تک السلام علیکم کہنے کے بجائے "آداب عرض" تسلیمات کہنے کا رواج تھا۔ اسی قسم کے ثقافتی سمجھوتوں میں کنول کے پھول کی منبت کاری بھی تھی۔ کنول کا پھول ہندوؤں کا مقدس پھول ہے مگر مسلمان اپنی مسجدوں یادرگاہوں میں اس پھول کی منبت کاری کرتے تھے۔ مصافحہ ترک کرنے اور جھک کر آداب بجالانے یا کورنش بجالانے کی رسوم بھی اسی ثقافتی سمجھوتے کے نتیجہ میں مروج ہوئیں۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سی ایسی ثقافتی باتیں تھیں جو ہندو مسلم افہام و تفہیم کے سلسلہ میں در آئیں اور ہمارے کلچر کا حصہ بنیں۔

بے تکلفی

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ بھی درج ہے جس کی ثقافتی اہمیت سے ہماری نسل واقف نہیں۔ سیدنا خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت حکیم نورالدین صاحب جب حصول تعلیم کے لئے لکھنؤ پہنچے تو سیدھے اپنے استاد حکیم علی حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب اپنے دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے، سفید براق چاندنی بچھی تھی، حاضرین اپنی اپنی نشست پر حسب مراتب گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے تھے۔ نشست و برخواست پر لکھنوی تمدن کی چھاپ تھی۔ بات بات میں تکلف، حرکات و سکنات ایک کڑے ثقافتی بدھن میں جکڑی ہوئی۔ جھک جھک کر آداب و تسلیمات عرض کرنے کا رواج۔ سیدنا نورالدین مجلس میں داخل ہوئے تو پاؤں دھول سے اٹے ہوئے اور طبیعت تکلف و تصنع سے بالکل نا آشناء۔ سیدھے مجلس میں پہنچے اور پکار کر السلام علیکم کہا۔ اس تمدن میں پکار کر سلام کہنا تو کجا، بات کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا، ساری محفل سن سے رہ گئی۔ ادھر حضرت حکیم صاحب سلام کہہ کر آگے بڑھے اور آپ کے دھول سے اٹے ہوئے پاؤں سے چاندنی پر عجیب نقش ونگار بننے لگے مگر آپ آگے بڑھتے گئے اور سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب جو زیادہ مکلّف سمجھے جاتے تھے بول ہی اٹھے "آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں اور سلام کہنے کا یہ طریق کہاں سے سیکھا؟" سیدنا نورالدین نے بلا تکلف جواب دیا "یہ بے تکلفی اور سلام کہنے کا یہ طریق رسولؐ عربی و امی کا سکھایا ہوا ہے" اس جواب سے معترض کے چہرے پر عرق انفعال کے قطرے نمودار ہوگئے۔ حکیم علی حسین صاحب نے ان سے کہا "آپ بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی رہے ہیں کیا آپ نے اس سے پہلے بھی ایسا مسکت جواب کبھی سنا ہے۔؟" یہ بات ہمارے نئے پڑھنے والوں کو عجیب لگتی ہوگی کہ اس دربار میں اتنا رکھ رکھاؤ کیوں تھا؟ اس لئے تھا کہ یہی لکھنؤ کا تمدن تھا۔ دلی والے بھی اگرچہ تکلف تصنع سے کہیں دور تھے پھر بھی ان کے ہاں گھر کو گھر نہیں محل سرا ہی کہا جاتا تھا بیٹھک کو دیوان خانہ کہتے تھے، بات بات میں

کورنش بجالانا اور "مجرا کرنا" ان کا طریق تھا۔ اب یہ مجرا کرنا بھی ہماری
نئی نسل کے لئے عجیب لفظ ہوگا مگر پرانے زمانہ میں جھک کر سلام
کرنے کو مجرا کرنا کہتے تھے۔ مجرے کے وہ معنی نہیں تھے جو ہمارے
عام معاشرہ میں مروج ہیں۔

قادیان اور ربوہ کا خوبصورت ماحول

ہم نے قادیان اور ربوہ میں اپنی ثقافت کے جو نمونے
دیکھے اس مضمون میں انہیں بیان کرنا مقصود ہے۔ دیکھنے اور سوچنے کی
بات یہ ہے کہ کیا ہمارا کلچر عام کلچر سے کوئی مختلف چیز تھا اور ہے؟ یا
محض ہمارا گمان ہے؟

قادیان میں ہمارا ماحول ملا جلا ماحول تھا جس میں ہندو بھی
تھے سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی۔ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب
کے زمانہ تک پرانے رئیسانہ رہن سہن کا دور دورہ تھا وہی طریق تھا جو
عام رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر مروج تھا۔ عام طریق یہ تھا کہ رئیس
خاندان کے علاوہ دوسرے تمام لوگ رعایا کہلاتے تھے۔ رعایا کی اس
تعریف میں وہ تمام لوگ آجاتے تھے جو رئیس نہیں تھے۔ اس ماحول
میں رہنے والے دوسرے چھوٹے زمیندار اور معززین بھی رعایا ہی شمار
ہوتے تھے مگر ان پر رئیس کا تفوق حکم چلانے کا نہیں تھا۔ صرف نام
کی رئیسی تھی جو چلتی چلی جاتی تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ جب
اس خاندان کے تصرف میں نوے گاؤں کی جاگیر ہوگی تو اس خاندان
کی بودوباش اور نشست و برخواست کیا ہوگی۔ حضرت مرزا غلام احمد
صاحب بانی سلسلہ احمدیہ تک پہنچتے پہنچتے وہ رئیسی ختم ہو چکی تھی
کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیاوی ریاست کے آثار مٹا کر ایک نئی روحانی
مملکت کی بنیاد رکھنے والا تھا اس لئے اس کی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا
تھا۔ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی ساری زندگی اپنی دنیاوی
شان و شوکت اور کھوئی ہوئی ریاست کی بازیافت میں بسر ہوئی مگر اس
میں انہیں ان کی توقعات کے مطابق کامیابی نہ ہوئی اور حضرت مرزا
غلام احمد صاحب کی زندگی ہی میں پرانی خاندانی ریاست کے آثار مٹ
گئے۔ از بسکہ خاندانی امارات کے آثار نہ تھے مگر قادیان میں اس
خاندان کی ظاہری ریاست کے آثار قائم رہے۔ مدتوں حضرت
مرزا صاحب کے مضامین کے ساتھ مرزا غلام احمد رئیس قادیان کے
الفاظ چھپتے رہے۔ قادیان کا معاشرہ اوسط...... رنگ کا معاشرہ تھا۔ ہم
نے وہ زمانہ دیکھا نہیں مگر اس زمانہ کے حالات کتابوں میں پڑھے
ہیں۔ ہمیں اس معاشرہ میں سب لوگ ہی مل جل کر رہتے نظر آتے
ہیں۔ ہندوؤں، سکھوں، مسلمانوں کا اٹھنا بیٹھنا باہم مل جل کر ایک
دوسرے کی مدد کرنا اس معاشرہ میں نظر آتا ہے۔ خود حضرت
صاحب کے دوستوں میں بہت سے ہندو شامل تھے اور کئی مقامات پر
حضرت صاحب کے ہندو ساتھیوں نے حضرت صاحب کی پاکیزہ
زندگی کی گواہی دی ہوئی ہے۔ بعض تو حضرت صاحب کی پیشگوئیوں
کے بھی گواہ ٹھہرے۔

السلام علیکم کہنا

ہم نے اس معاشرہ کے بارہ میں جو کچھ پڑھا ہے اس سے
یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قادیان میں آداب عرض کہنے کا رواج نہیں تھا۔
ہندو مسلمان آپس میں ملتے تو صرف "سلام" کہتے تھے۔ ہمارے
سامنے جو معاشرہ تھا وہ احمدیت اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے
زمانہ کا معاشرہ تھا اس میں ہم نے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی سلام کہتے
سنا۔ اباجی کے سکھ دوستوں میں ہزارہ سنگھ ہمارے یہاں آتے تو ہم
انہیں چاچاجی سلام کہتے اور وہ ہمیں دعا دیتے جیتے رہو بیٹا۔ اسی طرح
بازار سے گذرتے ہوئے کئی بار ہندو دکاندار اباجی کو سلام کہتے "مولوی
جی سلام" اور اباجی جواب میں کہتے "لالہ جی سلام" مگر اس کلچر میں اور
اس کلچر میں جسے ہم احمدیہ کلچر کہتے ہیں زمین و آسمان کا فرق تھا۔
قادیان اور ربوہ میں نہ صرف السلام علیکم کہنے کا رواج تھا بلکہ اس کی
تاکید کی جاتی تھی کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔ اس بات
کی اتنی عادت پڑی ہوئی تھی کہ لاہور پڑھنے کے لئے گئے تو رستہ میں
جو بھی ملتا اسے السلام علیکم ضرور کہتے۔ حتیٰ کہ ایک بار ایک صاحب
نے ہمیں روک ہی لیا اور کہا "وعلیکم السلام! مگر میں نے آپ کو پہچانا
نہیں۔" ہم نے مسکرا کر کہا "ہم نے تو مسلمان سمجھ کر یونہی سلام
کہہ دیا تھا جان پہچان تو ہماری ہے ہی نہیں آپ پہچانتے کیسے؟" ان
صاحب سے ہماری دوستی ہوگئی۔ وہ بھی ہماری طرح سیر کے عادی
تھے اس لئے روز ہی آمنا سامنا ہو جاتا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ جسٹس
بدیع الزمان کیکاؤس صاحب ہیں۔ ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج۔

برادرم عزیزم خلیفہ صباح الدین نے بھی کسی دوست کا
حال لکھا ہے کہ آپ اسلام آباد میں ہر روز ان سے السلام علیکم کہتے تھے

ایک روز ان صاحب نے کہ کوئی سرکاری افسر تھے کہہ ہی دیا کہ آپ بہت السلام علیکم کہہ چکے اپنا کام بھی بتا دیجئے۔ السلام علیکم کہنا ہمارے ہاں کے پلے ہوئے بچوں کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے گویا احمدی کلچر کا پہلا جز والسلام علیکم کہنا ہے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر کوئی احمدی کسی کو السلام علیکم کہہ دے تو وہ قانون کی گرفت میں آجاتا ہے۔

احمدیہ کلچر کی یہی چیز سب سے پہلے ربوہ یا قادیان میں نوواردوں کو حیرت میں ڈالتی تھی۔ دوسرے معاشرہ میں یوں سرعام اور علی الاعلان بلا تخصیص ہر سامنے آنے والے کو سلام کہنے کا رواج ہی نہ تھا۔

الحمدللہ کہنا

اسی طرح پرسشِ احوال کے جواب میں الحمدللہ کہنے کا رواج بھی ہمارے احمدیہ معاشرہ کے ساتھ مخصوص ہے یا چند ایسے لوگوں تک جو دینی اقدار سے ذرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ ہم اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں اردو کے استاد تھے۔ ہمارے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ہم طلباء کو پاکستانی معاشرہ کے آداب بھی سکھائیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں جو آڈیو سبق تیار کیا اور بچوں کو سکھایا وہ یہ تھا:۔

سوال: "آپ کا کیا حال ہے؟"

جواب: "الحمدللہ میں اچھا ہوں"

ہمارے شاگرد اسی کے مطابق جواب دیتے تھے۔ ان میں سے کئی پاکستان بھی گئے۔ واپس آکر ایک بچہ کہنے لگا "سر آپ نے جو کچھ پڑھایا ہے وہ ٹھیک ہی ہوگا مگر ہم نے عام پاکستانیوں کو الحمدللہ کہتے نہیں پایا۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں "میں ٹھیک ہوں" ہم نے اس بچے کو یہی جواب دیا کہ "بیٹا ہم نے شرفاء کی زبان سکھائی ہے اور شرفا یہی زبان بولتے ہیں"۔ اب اسی جگہ ہمارے ایک پاکستانی دوست ہیں وہ ہماری ہی تیار کی ہوئی آڈیو سے کام چلا رہے ہیں۔ ان سے ایک بار پاکستان میں اتفاق سے ملاقات ہوگئی۔ کہنے لگے "یار یہ تم جاپانیوں کو کس الحمدللہ پر لگا آئے ہو؟" ہم نے کہا "کیوں کوئی غلط بات کی؟" فرمانے لگے۔ "نہیں بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر خود مجھے الحمدللہ کہنے کی عادت نہیں تھی اس لئے الحمدللہ کی عادت ڈالنے میں بہت دقت پیش آئی"۔ بااینہمہ 'احمدیہ کلچر میں الحمدللہ کہنا نہ اجنبی لگتا ہے نہ یہ کہنے کی مشق کرنا پڑتی ہے۔

انشاءاللہ 'ماشاءاللہ

اسی طرح "انشاءاللہ"، "ماشاءاللہ" کے الفاظ ہمارے ہاں کسی تکلف کے بغیر استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرے پاکستانی معاشرہ میں ایسا نہیں۔ ہاں جہاں کہیں کوئی شخص "انشاءاللہ" کہتا ہے مخاطب کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کا ارادہ غالباً کام کرنے کا نہیں! ہماری ایک اور شاگرد ہاجی ساں' جو آج کل جاپان پولیس سروس میں اونچے مرتبہ پر ہیں' ایک ملک سے واپس گئیں تو ہمیں کہنے لگیں "میں انشاءاللہ نو بجے یونیورسٹی نہیں آسکوں گی گیارہ بجے آجاؤں گی" ہم نے اسے ٹوکا "بیٹی انشاءاللہ کا یہ نیا استعمال تم کہاں سے سیکھ آئی ہو" کہنے لگی "وہاں تو جو کام نہ کرنا ہو اس کے ساتھ انشاءاللہ کہتے ہیں۔"

سر ڈھانپنا

بات احمدیہ کلچر کی تھی۔ قادیان میں تو ہم نے ہر کہ ومہ کو سر ڈھانپتے دیکھا۔ ربوہ میں کچے کوارٹروں کے زمانہ میں جو دو چار حکمت کی باتیں دیوار پر لکھی ہوئی تھیں ان میں سے ایک تھی "ننگے سر پھرنا آوارگی کی علامت ہے"۔ ہمارے احمدیہ کلچر میں ننگے سر پھرنے کو بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بڑوں کے سامنے ننگے سر آنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہمارے ہندی اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت سر ڈھانکنی بھی تھی۔ عورتیں تو ماں باپ اور دیگر قریبی عزیزوں کے سامنے آتے ہوئے بھی سر ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔ قادیان میں ہم نے یہی دیکھا کہ سب لوگ سر پر پگڑی یا ٹوپی رکھتے ہیں۔ یہ عام مسجدوں میں تنکے کی بنی ہوئی ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں کہ نمازی سر ڈھانپ لیں یہ نہیں ہوتی تھیں۔ ہر شخص جو نماز کی نیت سے آتا تھا گھر سے ہی ٹوپی یا پگڑی اوڑھ کر آتا تھا۔ احمدیہ معاشرہ میں سر ڈھانکنے کی بہت اہمیت رہی اور ہے۔

عیادت یعنی بیمار پرسی

استقبال و مشایعت کے علاوہ عیادت بھی ہمارے کلچر کا حصہ رہی ہے اور ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا ثواب ہے مگر دوسرے اس ثواب سے متمتع نہیں ہوتے۔ احمدیہ کلچر میں عیادت بھی دیگر فرائض

کی طرح ایک فرض سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے خود حضرت صاحب کو کئی بیماروں کی عیادت کے لئے آتے ہوئے دیکھا تو ان کی علالت پر رشک آتا۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمارے دوست عبد السلام اختر کی عیادت کے لئے ہسپتال تشریف لائے تو ہم بھی اس وقت ہسپتال میں ان کی عیادت کے لئے حاضر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بصرہ العزیز کو بہت بار دوسروں کی عیادت کے لئے آتے جاتے دیکھا۔ عیادت بھی دینی معاشرہ کا حصہ سمجھی جاتی تھی مگر اس بے ضرر اور ہمدردی کی مظہر رسم کے ساتھ ایسے تکلفات وابستہ ہوگئے کہ لوگ اس مفید رسم کو بھول گئے یا اسے بوجھ سمجھنے لگے۔ ایک بدعت جو اس کے ساتھ شامل ہوگئی کہ وہ مریض کے لئے کچھ نہ کچھ لے جانے کی رسم تھی کہ "ہم خالی ہاتھ مریض کو کیا پوچھنے جائیں"۔ یہ تو خیر ہمارا کلچر تھا کہ کسی سے ملنے جاؤ تو کچھ نہ کچھ لے کر جاؤ اور یہ دنیا میں ہر جگہ ہی ہوتا ہے مگر اسے لازمی حصہ بنا دینے کا نتیجہ ہوا کہ عیادت بھی ایک تکلف بن گئی۔

پروفیسر نصیر احمد خاں پر پہلی بار دل کا حملہ ہوا تو ڈاکٹر نے سختی سے ان سے ملاقات سے منع کر دیا۔ نصیر صاحب کے کمرہ کے باہر ایک کاپی رکھ دی گئی کہ "عیادت کے آنے والے احباب اپنا نام اس پر لکھ دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء"۔ نصیر صاحب ہسپتال سے فارغ ہو کر واپس گھر پہنچے تو حیران تھے کہ وہ کاپی خالی کی خالی تھی اس لئے کہ کوئی شخص اس کاپی پر نام لکھ کر اپنی محبت کی تخفیف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو چوہدری تھے وہ ملاقات کے بغیر ٹلتے نہیں تھے جو ملاقات نہیں کر سکتے تھے وہ تیمار داروں کو کوستے ہوئے چلے جاتے تھے کاپی پر نام لکھنا کسی نے پسند نہیں کیا۔ حالانکہ بڑی بے ضرر سی بات تھی کہ مریض کا مفاد اسی میں ہے اسے تکلیف نہ دی جائے۔ مگر عیادت کرنے والوں کو کون سمجھائے؟ یہاں سویڈن میں ہسپتال میں عیادت کرنے پر کوئی پابندی نہیں مگر کوئی پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتا۔ عیادت کی انتہا یہ سمجھی جاتی ہے کہ گھر سے پھول والوں کو ٹیلیفون کر دیا کہ فلاں مریض کو فلاں وارڈ میں ہماری طرف سے پھولوں کا تحفہ پہنچا دیا جائے اور بس! جسے پھولوں کا تحفہ آجائے وہ پھولے نہیں سماتا اور تو اور لوگ بائگ مرنے والوں کی تعزیت کے لئے آنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہم ہسپتال میں تھے کہ ہمارے ساتھ کے بستر والے مریض کا انتقال ہو گیا وہ بچارا کئی دن سے موت وحیات کی کشمکش میں تھا۔ نرس آئی تو ہم نے اس کی موت پر افسوس کا اظہار کیا۔ کہنے لگی "بڑا خوش قسمت مریض تھا اس کے بیٹے نے ایک ہزار میل سے اس کے لئے پھولوں کا تحفہ بھیجا۔ اب بھی پڑا ہے اس کی میت پر۔ سردخانہ میں!!!"

دعا اور درخواست دعا

عیادت کے ساتھ ہی بیمار کے لئے دعا کرنے یا دعا کروانے کا طریق بھی احمدیہ کلچر میں شامل ہے۔ دعا احمدیہ کلچر کا ایک اہم جزو ہے۔ یوں تو ہمارے سارے کلچر میں دعا کا لفظ رچا بسا نظر آتا ہے مگر عموماً یہ "آپ کی دعا سے" تک محدود ہے۔ نہ کہنے والا دعا کا طلب گار ہوتا ہے نہ سننے والے ہی کو دعا سے کوئی سروکار ہوتا ہے۔ پس روز مرہ کا ایک فقرہ ہے جو بول دیا جاتا ہے مگر احمدیہ کلچر میں دعا محض ایک لفظ نہیں ایک پورا تہذیبی رویہ ہے۔ پرانی تاریخوں میں پڑھا ہے کہ دکن کے نظام صاحبان بعض لوگوں کو بطور دعا گو ملازم رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ہر عرس یا دربار کے موقعہ پر اس دربار میں یا عرس پر حاضر ہوتے اور بادشاہ وقت کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کرتے تھے اور بس ان پیشہ ور دعا گو حضرات میں دعا گوئی کی خدمت وراثتاً چلتی تھی۔ شاہان مغلیہ میں بھی دعا گوئی کا سلسلہ صرف یہاں تک تھا کہ فقراء یا اولیاء کو وقتاً فوقتاً وظائف عطا کر دیئے جاتے تھے مگر ان سے توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ بادشاہِ وقت کے فرمانبردار رہیں گے۔ بعض بادشاہوں کے بارہ میں درگاہوں پر جانے کے واقعات بھی درج ہیں مگر جماعت احمدیہ درگاہوں پر جاتی ہے نہ ان مردہ لوگوں سے کوئی منت مانگتی ہے نہ ان سے کوئی توقع رکھتی ہے۔ جماعت احمدیہ کے ہاں خدا کے ساتھ زندہ تعلق زندہ سلسلہ ہے۔ احمدیہ کلچر میں خدا کا تصور کسی دوسرے کی وساطت کا محتاج نہیں۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود اپنا تعلق رکھتا ہے اور براہِ راست اس سے مانگتا ہے۔ زندہ خدا کا زندہ تصور جماعت احمدیہ کا کلچر ہے۔

دراصل عام لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کا محدود تصور رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا بولتا تھا' سنتا تھا کلام کرتا تھا اب نہیں کرتا۔ مگر جماعت احمدیہ یہ سمجھتی ہے خدا بولتا بھی ہے' سنتا بھی ہے' جواب بھی دیتا ہے۔ دعاؤں کی اجابت کا یہی یقین دعا کی افادیت کا

ضامن ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ جماعت کے افراد جماعت کے بزرگوں یا خلفاء سے دعا کے لئے درخواست کرتے رہتے ہیں مگر ایسا کرنا اپنی دعا کو تقویت دینے کے لئے ہوتا ہے۔

احمدیہ کلچر میں پلے ہوئے لوگ جب دعا کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو محض اوپری اور رسمی طور پر ایسا نہیں کرتے۔ ان میں سے ہزاروں لوگوں نے خدا کی قدرتوں کا خود تجربہ کیا ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی ہوش میں ہزارہا ایسے لوگ دیکھے جو خدا سے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوئے۔ ہم نے دعاؤں کے ذریعہ معجزے رونما ہوتے دیکھے اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ پاکستان کے ایک اور آمر مطلق صاحب نے بیان داغ دیا کہ "اب معجزے رونما نہیں ہوتے وہ وقت گذر گیا۔" تب اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کو ایک انذاری معجزہ کا نشانہ بنایا۔ احمدیہ کلچر میں دعا اور خدا کے ساتھ زندہ تعلق اور خدا کی طرف سے دعاؤں کی اجابت کا یقین شامل ہے۔ دوسروں کو ایسا ایقان میسر نہیں اس لئے وہ دعا کو ایک لفظ جانتے ہیں۔ احمدی اسے محض لفظ نہیں گردانتے ایک پورا رویہ جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان سے سلوک بھی اس کے مطابق ہی ہے۔

احمدیہ معاشرہ میں دعا کرنا' دوسروں کو دعا کے لئے کہنا' دعاؤں کی تحریک کرنا اجتماعی یا انفرادی طور پر دعائیں کرنا بہت اہم امور میں شامل ہے۔ ہمیں یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیمار تھے تو ان کی صحت کے لئے اجتماعی طور پر دعائیں کی جاتی تھیں اور لوگ رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ نماز میں بھی' نماز کے بعد بھی۔ ہاں یہ بات احمدیوں سے مختص ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آدمی کسی کے دربار میں حاضر ہو اور باہر نکل کر اس سے اپنے مطالبے پیش کرنے لگے۔ جماعت احمدیہ کے کلچر میں یہ بات بھی انوکھی ہے کہ جماعت کے اخباروں میں دعا کی تحریک کے لئے باقاعدہ اعلان چھپتے ہیں۔ لوگ اپنے تکلیف میں مبتلا بیمار بھائیوں کے لئے دعائیں کرتے اور ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ دوسرے اخبارات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ کو کوئی ایسا اعلان کسی اور اخبار میں نظر نہیں آئے گا۔ کہیں کہیں اخبارات میں تعزیتی شذرے نظر آجائیں گے مگر ان کی حیثیت محض تعزیتی ہو گی۔ کسی کے ارتحال پر پس ماندگان کے لئے دعائیں کرنے کی درخواست آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گی۔ احمدیہ کلچر کہ یہ بات دوسروں سے منفرد ہے۔ یہ کلچر زندگی اور موت دونوں میں دوسروں سے جداگانہ ہے۔ اس لئے جب ملاّ یہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کا کلچر دوسروں سے جدا ہے تو کوئی ایسی غلط بات بھی نہیں کہتے۔ احمدیوں کا کلچر ابتدائی دور کا کلچر ہے۔ دیگر لوگ اپنے اصل کلچر سے چودہ سو سال آگے نکل گئے ہیں۔ اس تیز بھاگنے والے کی طرح جو اپنی منزل مقصود کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہو اور بٹٹ بھاگے چلا جا رہا ہو اور نہ جانتا ہو کہ وہ سعی رائیگاں میں مبتلا ہے۔ احمدیہ کلچر میں تو ہر وقت دعا کی گنجائش اور دعا کا موقعہ ہے۔ جلسہ سے پہلے' جلسے کے بعد' دعوت سے پہلے' دعوت کے بعد۔

ایسا نہ ہو آسمان ٹوٹ پڑے

غرض ہر موقعہ پر۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جب جلسہ ختم ہوتا تھا تو لاکھوں کا مجمع نہایت تضرع سے دعائیں کرتا تھا اور رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا تھا۔ ہمارے کئی غیر از جماعت دوست جلسہ میں آتے اور اس نظارہ کو دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتے تھے کہ لاکھوں لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا انہیں واقعی یقین ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہو جائیں گی؟ ۱۹۷۴ء کے جلسہ پر میرے ایک نہایت سینئر سی ایس پی دوست جو اس وقت ڈویژن کے کمشنر تھے میرے ذاتی مہمان کے طور پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ جلسہ کا افتتاح ہوا۔ جماعت نے پہلی بار جلسہ گاہ میں ایف ایس ایف کے سپاہیوں کو مورچہ بند دیکھا۔ جلسہ گاہ کے لئے جو سٹیڈیم نما میدان تیار کیا گیا تھا اس کے ہر ستون پر ایک ایک سپاہی ایستادہ تھا۔ بہ ظاہر بھٹو صاحب دکھانا چاہتے تھے کہ ان کے پاس کتنی مسلح طاقت ہے۔ حضرت صاحب نے افتتاحی تقریر شروع فرمائی۔ سادی کی ساری افتتاحی تقریر قرآنی دعاؤں پر مشتمل تھی۔ ایک دعا بار بار دہرائی گئی کہ اے خدا ہمارے دشمنوں پر گرفت فرما اور ہماری زندگیوں میں ان کا انجام دکھا۔ کمشنر صاحب عربی نہیں جانتے تھے مگر دعائیں تو اردو میں ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کانپنے لگے۔ میں کہ ان کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا انہیں

باہر لے آیا۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگے جلدی یہاں سے چلو یہ شخص تو اپنی دعاؤں سے آسمان کو ہلائے دے رہا ہے ایسا نہ ہو آسمان ٹوٹ پڑے۔ بھٹو صاحب کا زوال ہوا تو انہی کمشنر صاحب نے مجھے جاپان میں خط لکھا کہ تمہارے امام کی دعائیں قبول ہو گئیں۔ میں نے انہیں لکھا کہ تم نے ایک کمزور جماعت کی طاقت دیکھی ؟۔

دعاؤں کی قبولیت کا یقین احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔ لاکھوں واقعات ہیں جن میں بیماروں کو شفا ملی۔ کمزور طاقتور ہوئے۔ انہونی ہونی ہو گئی۔ ناممکن ممکن میں بدل گئے اور یہ سب کچھ احمدیوں کے دیکھتے دیکھتے ہوا۔ دو چار برس پہلے سٹاک ہالم کے ایک فورم نے مجھے جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں اظہار خیال کی دعوت دی۔ بعد میں ایک صاحب نے سوال کیا "کیا آپ ایک دو لفظوں میں جماعت احمدیہ اور دیگر لوگوں کا فرق واضح کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا" جی ہاں جماعت احمدیہ خدا کو زندہ مانتی ہے دوسرے نہیں مانتے"۔ وہ صاحب کہنے لگے۔ "یہ کیا جواب ہوا؟ میں نے کہا" یہی جواب ہے۔ دوسروں کو خدا کے زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ اس کے الہاموں سے انکار کیوں کریں ؟"۔

نماز کی ادائیگی

احمدیہ کلچر خدا کے زندہ ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسی لئے دعاؤں میں یقین رکھتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں دعا محض رسمی لفظ کے طور پر موجود نہیں ایک مکمل تشخص کے طور پر موجود ہے دعا کے ساتھ ہی نماز کا ذکر آتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں نماز رسم نہیں فرض ہے اور فرض کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ نماز کے اوقات میں دکانوں کا بند ہو جانا کاروبار کا معطل ہو جانا اور شہر کے شہر کا معطل ہو جانا کہیں اور ہو تو ہمیں بتایا جائے ؟ آخر کروڑوں لوگ شہروں میں بستے ہیں کیا کسی اور شہر میں بھی نماز کے اوقات میں کاروبار معطل ہو جاتے ہیں اور خود نمازیوں کی مرضی سے معطل کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کالج کے غیر از جماعت طلباء کو احمدی دکانداروں سے یہی شکایت تھی کہ وہ نماز کے اوقات میں دکانیں بند کر دیتے ہیں اگر کسی کو اس وقت کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ نہیں ملتی۔ قادیان میں بھی یہی طریق ہم نے دیکھا۔ احمدیہ بازار میں بعض ہندو دکاندار بھی تھے وہ بھی نماز کے وقت دکان پر پردہ کھینچ دیا کرتے تھے۔ ربوہ میں تو ایسا عام ہوا کہ دکانداروں نے نماز کے اوقات میں چائے تک پینے سے انکار کر دیا۔ اگر کسی نے کہا بھی کہ یہ مہمان ہیں انہیں جلدی جانا ہے تو کھرا سا جواب ملا "تو پھر؟ کیا میں ایک پیالی چائے کے لئے اپنی عاقبت خراب کر لوں ؟"۔ نماز کے ساتھ یہ تصور کہ نماز کے وقت دکان بند کر دینا کسی پر احسان کرنا نہیں۔ اپنی ہی عاقبت کے سنوارنے کا سامان ہے۔

تربیت اولاد

دراصل یہ سب کچھ گھروں کے اندر سے شروع ہوتا تھا۔ احمدیہ کلچر کا ایک حصہ اولاد کی تربیت ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت ایسے رنگ میں کرتے تھے کہ بچے ایک خاص رنگ میں ڈھل جاتے تھے۔ ہر احمدی گھرانے میں گھر کے بڑے نماز پڑھتے پھر اپنی اولاد کو جگاتے 'انہیں نماز کی عادت ڈالتے تھے۔ پھر اکثر افراد تہجد کے عادی تھے۔ سحری کے وقت اٹھتے۔ تہجد کی نماز پڑھتے۔ پھر اپنی اولاد کو جگاتے۔ انہیں نماز پڑھنے کے لئے کہتے خود نماز کے بعد بچوں کو درس دینے کے لئے بیٹھ جاتے۔ قرآن' حدیث یا کتب حضرت بانی سلسلہ یا حضرت خلیفۃ المسیح کی کتابوں کا درس دیتے۔ اس طرح بچے ابتداء ہی سے ایک خاص رنگ میں رنگین ہو جاتے جسے احمدیت کا رنگ کہا جا سکتا ہے۔ یہ رنگ چڑھانا بہت مشکل تھا اور ہے کیونکہ جب تک خود ماں باپ اس رنگ میں رنگین نہ ہوں یہ رنگ نہیں چڑھتا اور چڑھ جائے تو چھٹائے نہیں چھٹتا۔ ہم لوگوں نے اپنے گھروں میں یہی ماحول دیکھا اور یہ صرف قادیان تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ رنگ ربوہ تک بلکہ یہ رنگ ہر احمدی گھرانے تک ممتد تھا۔ شہر ہو یا گاؤں یہی صورت تھی۔

جذبہ اخوت و مہمان نوازی

ہمارے ہاں بیسویں صدی کے تیسرے چوتھے عشرے تک یہ رواج تھا کہ لوگ سفر پر جاتے ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی بجائے اپنی جان پہچان کے لوگوں کے ہاں ٹھہرتے۔ گاؤں میں چونکہ ہوٹلوں کا رواج نہیں تھا اس لئے مسافر مسجد میں قیام کرتے تھے اور نمازی دیکھتے کہ مسجد میں کوئی مسافر موجود ہے تو اس کے لئے گھروں سے کھانا بھیج دیتے۔ یہ ہندوستان کا عام کلچر تھا۔ احمدیوں میں یہ ہوا کہ اگر کوئی مسافر سفر پر روانہ ہوتا تو کسی احمدی دوست کا پتہ حاصل کر لیتا اور بغیر کسی جان پہچان کے صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ وہ احمدی ہے

اور گھر کا سا ماحول پیدا ہو جاتا۔ یہ اخوت احمدیت کی پیدا کی ہوئی تھی۔

قادیان یا ربوہ میں مہمان خانہ موجود تھا۔ دوسرے شہروں میں بھی مہمان خانے یا لنگر موجود ہوں گے۔ مگر ہمارے ہاں کی روایت ایسے لوگوں کی روایت تھی جسے دوسرے شرفاء کی روایت کہئے۔ اب بڑے زمیں داروں کے ہاں مہمان خانوں کا وجود ہے مگر وہاں ہر مہمان کی پذیرائی مہمان کی طرح نہیں ہوتی۔ ایک دو وقت کا کھانا دے دیا اور بس۔ مہمان کو مہمان نہیں بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں مہمان کو خاص طور پر ایسے مہمان کو جس سے روحانی رشتہ بھی ہو بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ تمام احمدی گھروں میں چونکہ ایک سا ماحول تھا اس لئے مہمان کو کوئی دِقت بھی نہ ہوتی۔ ہمارے ہاں ربوہ میں ہمارے دیگر دوستوں کا کثرت سے آنا جانا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کشائش بھی دے رکھی تھی اس لئے بہت مہمان آتے اور ایسے مہمان آتے تھے جو جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ایک دوبار ایسا ہوا کہ مہمان نے صبح اٹھ کر شکایت کی کہ تم لوگ آرام سے سونے نہیں دیتے ہو۔ صبح صبح کھٹ کھٹ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر محلہ والے ہیں کہ بچے سحری کے وقت "صَلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ" کے نعرے لگا لگا کر نیند سے چونکا دیتے ہیں۔ تم کوئی ایسا انتظام نہیں کر سکتے کہ ایسا نہ ہو۔ ہم نے کہا ہو سکتا ہے تمہیں چنیوٹ چھوڑ آتے ہیں جہاں دوپہر تک پڑے سوتے رہو گے کوئی جھانک کے نہیں دیکھے گا۔ یہ اجتماعی طریق ایک صدی میں پیدا ہوا تھا۔ ہر احمدی اس طریق سے آشنا تھا اس لئے احمدی اپنے احمدی گھروں میں مہمان ہوتے تو انہیں کوئی اجنبیت نہ ہوتی دوسرے آجاتے تو اجنبیت محسوس کرتے۔

چھ صدیوں کا فرق

ہمارے دوست مسٹر جسٹس سجاد احمد جان مرحوم جو ہائی کورٹ کے جج رہے، پھر سپریم کورٹ کے جج ہوئے، پھر چیف الیکشن کمشنر کے طور پر ریٹائر ہوئے، ربوہ تشریف لائے۔ آپ نے چنیوٹ کے سول ریسٹ ہاؤس میں قیام فرمایا۔ ایک رات وہاں گذاری، اگلے روز شام کے وقت ہمارے ہاں کالج میں تقریر کے لئے تشریف لائے۔ یہ غالباً ۱۹۶۳ء یا ۶۴ کی بات ہے۔ ربوہ میں چند گھنٹے قیام فرمایا۔ شہر میں تھوڑا سا گھومے۔ واپسی پر میں انہیں چنیوٹ تک چھوڑنے گیا۔ فرمانے لگے "چنیوٹ اور ربوہ میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے مگر دونوں شہروں کے کلچر میں چھ صدیوں کا فرق ہے"۔ پھر بعد کو میرے بعض جاپانی دوستوں نے بھی جو جاپان سے ربوہ آئے اور لکڑی کی مصنوعات خریدنے کے لئے چنیوٹ کا سفر اختیار کیا یہی محسوس کیا کہ دونوں شہروں کے کلچر میں بہت تفاوت ہے۔ دراصل یہ تفاوت احمدی کلچر کا پیدا کیا ہوا ہے۔

تعلیم القرآن

ہم احمدیہ کلچر کے اس حصہ کا ذکر کر رہے تھے جس کا تعلق تربیت سے تھا۔ اس تربیت کا ایک حصہ تھا جو بچوں کی تعلیم سے متعلق تھا۔ ہر احمدی بچہ سکول شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید ناظرہ ضرور پڑھ لیتا تھا۔ ذرا حرف شناسی کی عمر کو پہنچتا تو ماں باپ خود پڑھانا شروع کر دیتے یا کسی قرآن پڑھانے والے کے پاس اسے پہنچا دیتے۔ ہماری پھوپھی جو بیگم جی قرآن پڑھانے میں بہت مشہور تھیں۔ مشہور تھا کہ غبی سے غبی بچے کو قرآن پڑھنے میں طاق کر دیتی تھی (ہم نے بھی انہیں سے قرآن ناظرہ پڑھا۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوگا)۔ سارے محلہ کے بچے ان کے پاس قرآن پڑھنے آتے تھے۔ ہمارے گھر کا سارا ماحول بچوں کے قرآن پڑھنے سے گونجتا رہتا تھا کیونکہ کوئی وقت بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی بچہ قرآن پڑھنے کے لئے موجود نہ ہو۔ وقت کی کوئی تخصیص یا پابندی نہیں تھی بچے اپنی سہولت کے مطابق آتے تھے۔ یہی حال دوسرے محلوں کا تھا کوئی نہ کوئی ایسا شفیق وجود موجود رہتا کہ وہ بچوں کو بلا معاوضہ قرآن پڑھاتا رہتا۔ دوسرے ماحول کی طرح بچوں اور بچیوں کو ملاملوانوں کے پاس نہیں بھیجا جاتا تھا۔ یہ خدمت بڑھی بوڑھیاں کرتی تھیں اور خندہ پیشانی سے کرتی تھیں۔ قادیان کا کوئی ہی ایسا بچہ رہا ہوگا جس نے ہماری پھوپھی جی سے قرآن نہ پڑا ہو۔ ربوہ میں بھی جب تک ان کی صحت اور بینائی نے اجازت دی یہ خدمت کرتی رہیں۔ اس قرآن شناسی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ احمدی بچے بلا تخصیص دوسروں سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ہم ایک بار حیران رہ گئے۔ ہمارے ایک دوست جو بعد میں سینئر پروفیسر ہمارے ہاں مہمان تھے۔ صبح صبح آپ نے گھر کے اندر سے چھوٹے بچے کے قرآن تلاوت کرنے کی آواز سنی تو حیران رہ گئے۔ پوچھنے لگے یہ اتنا چھوٹا بچہ کون ہے جو تلاوت کر رہا ہے؟ ہم نے بتایا کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے۔ نسیم مہدی' کہنے لگے یار تم عجیب لوگ ہو میں اب تک قرآن نہیں پڑھ سکتا اس لئے کہ ماں باپ نے بچپن میں سکھایا ہی نہیں۔ بچوں کو قرآن سکھانا احمدیہ کلچر کا حصہ

تھا۔ قادیان اور ربوہ کی گلیاں صبح صبح تلاوت سے گونجا کرتی تھیں۔

سکول میں میٹرک تک قرآن کا ترجمہ بھی پڑھایا جاتا تھا اور یہ تعلیم لازمی تھی ورنہ بچے کو میٹرک کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ قادیان میں تو سکول کے وجود سے پہلے مدرسہ احمدیہ قائم تھا۔ قادیان کے سارے بچے اس میں پڑھتے تھے اور آخر مولوی فاضل کا امتحان پاس کر کے نکلتے تھے۔ مولوی فاضل کا امتحان صرف ان لوگوں کے لئے لازمی نہیں تھا جو مبلغ بننے والے تھے بلکہ مولوی فاضل (جسے آجکل فاضل عربی کہا جاتا ہے۔ اے وائے مولویانِ قوم! جنہوں نے مولوی کے لفظ کو اتنا بدنام کر دیا کہ اب یونیورسٹی بھی اسی لفظ کو ترک کر بیٹھی)۔ کا امتحان پاس کرتے تھے اور اس کو علم کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ کے قادیان کے باشندوں میں سے ہمارے چچا عبداللطیف سویڈن میں رہتے ہیں اور مولوی فاضل پاس ہیں۔ کوئی شخص مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیتا تو سارے شہر میں اس کی تکریم ہوتی۔ ربوہ میں ہمارے دوست سید عبدالحیٔ (حال ناظر اشاعت) مولوی فاضل کے امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل آئے تو دھوم مچ گئی۔ لوگ دور دور سے شاہ صاحب قبلہ کو دیکھنے آئے۔ احمدیہ کلچر میں عربی کی تعلیم اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ پھر ہم نے تو وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب مناظرے ہوتے تھے اور زور شور سے ہوتے تھے۔ دونوں طرف سے پڑھے لکھے لوگ اکٹھے ہوتے اور علمی مباحثے کرتے تھے۔ پھر مناظروں میں تلخیاں پیدا ہونے لگیں۔ غیر احمدی مناظرین بدگوئی پر اترنے لگے تو مناظروں کا زور کم ہو گیا۔ خادم صاحب مرحوم' ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم جماعت کے ایسے مناظر تھے جو بدگو مناظرین کو ان کے سکہ میں نقد ادائیگی کرنے میں بہت مشاق تھے اس لئے یہ اعلان ہوتا کہ خادم صاحب مناظرہ کریں گے تو لوگ دور دور سے سننے کے لئے جاتے۔ بحث مباحثہ معاشرہ کا حصہ تھا بعض لوگ مسئلے مسائل میں زیادہ ہی دلچسپی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ بال کی کھال نکالنے کا محاورہ ہمیں بعض لوگوں کے مناظرے سن کر آیا۔ ایک بار ہمارے دوست محمد سجاد' پھالیہ سے ایک مولوی صاحب کو لے کر آئے۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری اور حضرت مولانا شمس صاحب سے ملاقات کے بعد سجاد صاحب انہیں ہمارے پاس لے آئے۔ بیٹھک میں بٹھائے گئے۔ اباجی اسی طرح معمول کے لباس میں یعنی تہمد باندھے بنیان پہنے اندر سے آ گئے۔ سلام دعا کے بعد اسلم سجاد نے تعارف کروایا "میرے مہربان دوست ہیں مسئلہ مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں اور خوب دلیر آدمی ہیں کسی سے نہیں ڈرتے" اباجی نے کہا "ڈریں ان کے دشمن! یہ تو گجرات کے ہیں جو لوگ رات کو نہیں ڈرتے دن کو کیا ڈریں گے"۔ وہ صاحب جھینپ سے گئے فرمانے لگے "میں مسئلہ مسائل سے دلچسپی رکھتا ہوں"۔ اباجی نے کہا آپ ہمارے بڑے بڑے علماء سے مل آئے ہیں میں تو ان کے مقابلہ میں کوئی عالم نہیں۔ پھر بھی آپ کی خدمت کروں گا۔ فرمائیے کیا مسئلہ ہے۔ کہنے لگے "جی کوئی بڑا مسئلہ نہیں یہی وفات مسیح کے بارہ میں کوئی آیت...... " ابھی آپ کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ اباجی نے کہا "کیوں کیا باقی انبیاء آپ نے آیتوں سے ہی مارے ہوئے ہیں کہ مسیح کی وفات کے لئے آیت درکار ہے؟" وہ صاحب ایسے چپ ہوئے کہ پھر بول تک کے نہیں دیکھا۔ جاتے ہوئے کہنے لگے "واقعی آیت کی کیا ضرورت ہے"۔

بات صرف عربی کی نہیں ایک خاص زاویہ نگاہ کی ہے۔ احمدیہ کلچر میں یہ بات اہم سمجھی جاتی ہے کہ بچوں کو قرآن کا بنیادی علم حاصل ہو تا کہ وہ بنیادی مسائل پر جماعت کا موقف جان سکیں۔

صحبت صالحین

پھر ہمارے ماحول میں عالموں کا احترام ایک خاص وصف ہے۔ بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو کسی بھی علم کے ماہر ہوں ان کا احترام کریں۔ قادیان یا ربوہ میں لوگ علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کو سعادت جانتے تھے۔ علماء کی مجلس میں بیٹھنا بچوں کے ذہن میں کشادگی پیدا کرتا تھا۔ ہمیں یاد ہے اسی طرح ہمیں بچپن ہی سے سکھایا گیا کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ہم نے حضرت مولوی شیر علی صاحب' حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے ہاں جانا شروع کیا۔ اسی طرح دوست ہمارے پھوپھا جی حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہمیں یہ تک یاد نہیں کہ ہم نے ان بزرگوں سے کیا سنا یا کیا سیکھا مگر یہی کیا کم تھا کہ ان کی باتیں کان میں پڑتی رہتی تھیں۔ ربوہ میں ہم حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر تو لوگ التزام اور اہتمام سے بزرگوں کی

خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب' حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے ہاں مہمانوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ لوگ آتے۔ دروازے کھلے رہتے۔ دعا کے لئے کہتے کچھ دیر ان کے ارشادات سے مستفیض ہوتے پھر دوسروں کے لئے جگہ خالی کر دیتے۔ یہ جماعت احمدیہ کا خاص کلچر تھا اور ہے۔ ہمارے ہاں بزرگوں کا ایک خاص مرتبہ تھا۔

جزاکم اللہ۔ کہنا

پھر ہمارے ہاں ایک خاص بات جزاکم اللہ کہنے کی ہے۔

دوسرے معاشرہ میں رسمی شکریہ کا لفظ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں شکریہ ادا کیا جاتا ہے یا احسان مندی کا اظہار کیا جاتا ہے تو اس کے لئے رسمی طور پر شکریہ نہیں کہا جاتا دلی طور سے "جزاکم اللہ احسن الجزاء" کہا جاتا ہے۔ احمدیوں کے علاوہ دوسرے بھی شاید کہتے ہوں گے مگر ایسا الشاذ کالمعدوم کے طور پر ہے۔ ہم نے تو سوائے احمدیوں کے کسی دوسرے کو ایسا کہتے نہیں سنا۔ جس طرح الیس اللہ بکاف عبدہ کی انگوٹھی احمدیوں کا نشان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح جزاکم اللہ احسن الجزاء کہنا بھی احمدیوں سے خاص ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ قرآن حکیم کی آیت ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوئی تھی۔ اس لئے احمدی حضرت صاحب کے تتبع میں اسے انگوٹھی میں کھدوا لیتے ہیں۔ اسی طرح جزاکم اللہ احسن الجزاء کہنا بھی دینی روایت تھی مگر اب احمدیوں سے مختص ہو کر رہ گئی ہے۔ پچھلے برس ہم کینیڈا سے واپس آئے تو ایک دوست کا خط آیا۔ لکھا تھا کہ "آپ نے واپس پہنچ کر شکریہ کا خط لکھا ہے "جزاکم اللہ بلکہ احسن الجزاء" ہم نے انہیں لکھا "سبحان اللہ راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں آپ نے کیا بات کہی ہے۔ آئندہ لوگ لکھا کریں السلام علیکم بلکہ ورحمۃ اللہ مزید بر آں و برکاتہ۔"

سو احمدیوں کے کلچر میں جزاکم اللہ کہنا بھی شامل ہے۔

احمدی احسان مند لوگ ہیں احسان ناشناس یا ناشکرے نہیں حالانکہ جماعت کو حیثیت جماعت ایسے ایسے احسان ناشناس لوگوں سے پالا پڑ چکا ہے کہ الامان والحفیظ ہمارے ہاں انفرادی اور اجتماعی طور پر شکر گذاری کا اظہار کرنا کلچر کا حصہ سمجھا جاتا ہے ہم نے ایک دو مضمونوں میں اپنے شاگردوں کے لئے احسان مندی کا اظہار کیا تو ایک صاحب معترض ہوئے کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ ہم نے انہیں یہی کہا کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ کوئی ذرا سا بھی احسان کرے تو اس کے احسان کا تذکرہ کرو۔ فامابنعمت ربک فحدث یہ اللہ کا احسان ہی تو ہے کہ وہ لوگ ہمیں مشاعروں پر بلاتے یا سیر کے لئے اتنی دور دراز کے ملکوں یا جگہوں کے ٹکٹ بھیج رہے ہیں۔ ہم خود تو اتنے لمبے لمبے سفروں کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اب آپ کہتے ہیں ہم ان لوگوں کے احسان کا تذکرہ تک بھی نہ کریں؟ ہمارے سامنے پھوپھاجی حضرت مولوی غلام نبی صاحب کا اسوہ ہے کوئی شاگرد ایک ذرا سا تحفہ بھی بھیجتا تو مدتوں اس کا احسان مندی سے تذکرہ کرتے رہتے اور دعائیں دیتے رہتے۔ احسان مندی بھی احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔ ایک بار حضرت مولانا راجیکی صاحب کے بیٹے برکات احمد صاحب راجیکی نے قادیان سے لکھا کہ ان کی طرف سے ان کے والد صاحب کی خدمت میں ایک حقیر سی رقم غالباً دس روپے کی رقم تھی دفتر کی طرف سے بھجوا دی جائے وہ یہ رقم قادیان میں انجمن کو ادا کر دیں گے۔ ہم نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں وہ رقم خود حضرت مولانا راجیکی صاحب کی خدمت میں پہنچا دی۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب کی خدمت میں ہزاروں لوگ نذرانے اور تحفے پیش کرتے رہتے تھے مگر ہم نے وہ دس روپے انہیں پہنچائے تو حضرت مولانا نے برکات احمد صاحب کو اتنی دعائیں دیں اتنی دعائیں کہ کیا لکھوں۔ اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے ہمیں بھی اس میں شامل کر لیا۔ ہم نے سوچا بیٹے نے باپ کی خدمت کے لئے اتنی حقیر سے رقم بھیجی ہے تو ایسی کون سی بات ہے۔ بیٹے کا فرض تھا کہ وہ حتی الوسع باپ کی خدمت کرتا مگر اس میں سبق یہ تھا کہ بیٹا بھی باپ کی خدمت کرے تو اس کے لئے احسان مندی کا اظہار کیا جائے۔ کیسا خوش نصیب وہ بیٹا تھا اور کیسا خوش نصیب وہ باپ تھا۔ احمدیہ کلچر کا یہ پہلو بھی دوسروں سے ممتاز پہلو ہے۔

اظہارِ تعزیت

احمدیہ کلچر میں تعزیت کے قرینے بھی دوسروں سے

مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں جزع فزع کا تصور نہیں۔ تعزیت کے لئے صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جاتا ہے اور بس! فاتحہ پڑھنے یا قل اور تیسرے یا چالیسویں کا کوئی رواج ہے نہ کھانا کھلانے کا۔ کئی بار غیر احمدی شرفا کے ہاں تعزیت کے لئے جانا ہوا تو بہت ذقت پیش آئی۔ کیوں ؟ جو آتا "دعائے خیر" کہہ کر فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھالیتا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ ہر شخص نئے آنے والے کے ساتھ ہاتھ ضرور اٹھاتا ہے مگر پڑھتا پڑھاتا کچھ نہیں۔ ہر شخص اپنی مرضی سے فاتحہ ختم کرلیتا ہے۔ کئی بار تو ہم نے دیکھا کہ ادھر کسی نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے ادھر دوسروں نے ایک سیکنڈ کے بعد باتیں شروع کر دیں۔ فاتحہ محض رواج بنی ہوئی ہے مگر احمدیوں کے ہاں اس قسم کا کوئی رواج نہیں۔ ہاں لوگ پرسہ دینے ضرور جاتے ہیں۔ تین دن تک تو باقاعدہ دوست عزیز آتے ہیں۔ البتہ قبر پر فاتحہ پڑھنے لوگ ضرور جاتے ہیں مگر اسے فاتحہ پڑھنا نہیں کہتے بلکہ محض دعا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بہشتی مقبرہ میں صبح صبح دعا کرنے والوں کا تانتا لگا ہوتا ہے۔ قادیان میں لوگ سب سے پہلے حضرت بانی سلسلہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مزار پر جو اسی احاطہ میں تھا دعا کرتے اس کے بعد دوسروں کی طرف جاتے تھے۔ یہاں ربوہ میں حضرت اماں جان اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی قبروں پر جو ایک ہی احاطہ میں ہیں دعا کرنے کے بعد لوگ دوسروں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں قبروں پر کوئی منت نہیں مانی جاتی نہ چڑھاوے چڑھانے کا رواج ہے۔ جہاں تک ہماری تربیت کا تعلق ہے ہمیں علم ہے کہ بزرگوں کی قبروں سے کوئی توقع وابستہ نہیں کی جاتی۔ چادر وغیرہ کا کوئی رواج نہیں۔ دیگر درگاہوں یا مزاروں پر جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے ہاں بنظر استحسان نہیں دیکھا جاتا۔ اسی طرح ہمارے ہاں چالیسویں کی دعوت کا بھی کوئی سلسلہ نہیں۔ غیر احمدی حضرات کے ہاں مرنے والا مر جاتا ہے تو پسماندگان لوگوں کو کھلا کھلا کر مر جاتے ہیں!

تعزیت کے لئے آنے والے بھی دعا یا فاتحہ کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ خاموشی سے آتے 'لواحقین سے ملتے 'انا للہ پڑھتے اور خاموشی سے بیٹھ کر مرنے والے کے شمائل کا تذکرہ کرتے اور اپنی سہولت کے مطابق اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں اذکروا موتاکم بالخیر کا رواج ہے۔ مرنے والوں کے عیوب کا تذکرہ مناسب نہیں جانا جاتا۔ مغفرت کی دعائیں ہی مانگی جاتی ہیں۔

ہمسائیوں سے حسن سلوک

ہمسائیوں سے حسن سلوک بھی ہمارے کلچر کا حصہ ہے۔ ہمسایوں سے اپنوں کا سا سلوک کرنا دینی تعلیم کا اہم جزو تھا مگر افسوس لوگ اسے بھول بیٹھے۔ قادیان میں اور ربوہ میں اس بات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہ ہو۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے عیدین اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر ہمسایوں سے مل جل کر خوشی منانے کا حکم دیا ہوا ہے۔ ہمیں یاد ہے قادیان کے زمانہ کے ہمسائے ملک صلاح الدین صاحب سے 'علی گوہر صاحب کے خاندان سے اور ربوہ کے ہمسایوں سے ایسا ہی تعلق محسوس ہوتا تھا جیسا تعلق اپنے قریبی عزیزوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں محاورہ ہے "حق ہمسایہ ماں جایا" مگر اس کا اطلاق سارے معاشرہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ ہمسایوں میں اجنبیت بڑھ رہی ہے۔ مغرب میں تو ہمسایے کے ساتھ تعلق کا کوئی تصور ہی نہیں لوگ برسوں دیوار بہ دیوار رہتے ہیں مگر ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ کلچر میں ابھی تک ہمسائے کے حقوق کا لحاظ موجود ہے۔ جاپان میں ہمارے پڑوس میں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ہم نے اپنے رفیق کار اور ہمسائے امریکن پروفیسر فارسی سے کہا ہمیں تعزیت کے لئے جانا چاہئے۔ کہنے لگے نہیں! تیسرا مکان ہے دوسرا ہوتا تو چلے بھی جاتے۔ کچھ دنوں کے بعد فارسی صاحب بہت بیمار ہو گئے ہم عیادت کے لئے ان کے ہاں اوپر تیسری منزل میں پہنچے۔ ان سے تفنن کے طور پر کہا کہ "آپ کو کچھ ہوگیا تو ہم کیا کریں گے ؟" کہنے لگے "کیوں اتنی بے مروتی دکھاؤ گے کہ میرے جنازہ کو کندھا نہیں دو گے ؟" ہم نے کہا "نہیں ایسا تو نہیں کریں گے مگر مشکل یہ ہے کہ آپ بھی تیسرے مکان میں رہتے ہیں دوسرے تک ہم بلا تکلف جا سکتے ہیں۔" بہت ہنسے۔ تب ہم نے انہیں اپنے احمدیہ معاشرہ کا بتایا کہ ہمارے ہاں ہمسائے کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ کہنے لگے "ہوتا ہوگا مگر ایسا تو صرف فرشتوں کے معاشرہ میں ہو سکتا ہے۔ ہمارا قادیان اور ربوہ کا معاشرہ فرشتوں کا معاشرہ تو نہیں تھا مگر ایسے فرشتوں والے کام

ہمارے ہاں ضرور ہوتے تھے۔ ہمسائیگی کا حق بہت سے دوسرے حقوق پر فائق تھا۔ بیماری میں تو تیمارداری کرنا ہاتھ پیر کی خدمت کے لئے حاضر رہنا' ضعیفوں کی خدمت کرنا' یہ سب کچھ احمدیہ معاشرہ کا حصہ تھا اور ہے۔

خدمت خلق

خدمت خلق کا لفظ بھی ہمارے ہاں ہی سے شروع ہوا۔ کسی مصیبت کا وقت ہو ہمارے لوگ خدام ہوں یا انصار یا اطفال خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔ قادیان کا تو ہمیں یاد نہیں مگر ربوہ میں سیلاب آتا تو ارد گرد کا سارا علاقہ پانی میں گھر جاتا۔ خدام خدمت کے لئے میدان میں اتر پڑتے اور اپنی جانوں کی پروا کئے بغیر خدمت کرتے۔ سیلاب کے چڑھے ہوئے پانی میں ہم نے خدام کو کھڑکن گاؤں تک بھی کشتیوں میں جاتے اور لوگوں کو بچاتے یا انہیں کھانا پہنچاتے دیکھا۔ بیماروں کے لئے تو خدمتی کیمپ لگتے ہی رہتے ہیں۔ سڑک یا سٹیشن پر گرمیوں میں مسافروں کو پانی پلانے کا کام بھی خدام ہی کرتے رہتے تھے تا آنکہ بعض لوگوں کو یہ خدمت پسند نہ آئی۔ ایک روز ایک "نیک آدمی" نے خدام کی آنکھ بچا کر پانی کے ڈرم میں زہر ملا دیا۔ اگر وہ پانی کسی کو پلا دیا جاتا تو وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ وہ تو خیر گزری کہ کسی نے اس بھلے مانس کو ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا اور فوراً پانی ضائع کر دیا گیا اور نہ ایک نیا کھڑاک کھڑا ہو جاتا۔ اس کے بعد بسوں کے اڈہ پر یا سٹیشن پر پانی پلانے کا سلسلہ روک دیا گیا۔ پانی بیچنے والوں کو کھلی آزادی ہے جتنا چاہیں بیچیں مگر ربوہ میں کوئی پانی نہیں بیچتا۔

وقار عمل

خدمت خلق کا ایک انداز احمدیہ کلچر سے مختص ہے وہ ہے وقار عمل۔ یعنی رضا کارانہ طور پر سڑکوں' گلیوں محلوں کی صفائی اور سڑکیں بنانے کا کام۔ خدام اطفال انصار سب ہی وقار عمل میں شریک ہوتے اور ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ قادیان اور ربوہ کے ابتدائی دنوں میں ایک بار ہم نے حضرت صاحب کو بھی وقار عمل میں شریک ہو کر کام کرتے دیکھا۔ پھاوڑے' کدالیں' تسلے' جھاڑو خدام الاحمدیہ والے مہیا کرتے تھے اور سب لوگ گلی محلہ کی صفائی کرتے رہتے تھے۔ اس کام میں کوئی عار سمجھی جاتی تھی نہ سمجھی جاتی ہے۔ یہاں سویڈن والوں کے ہاں بھی ایسا ہی رواج ہے۔ یہ لوگ مہینہ میں ایک بار ایسا کام کرتے ہیں اور ایسے کام میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

پردہ

ہمارے احمدیہ کلچر کا ایک پہلو پردہ سے متعلق ہے۔ ہمارے ہاں غض بصر کا عام رواج ہے۔ عورتیں برقعہ پہنتی ہیں۔ گلیوں بازاروں میں بے پردہ خواتین نظر نہیں آتیں۔ برقعہ پہننے کا جتنا تناسب ربوہ میں ہے اتنا پاکستان کے کسی اور شہر میں نہیں۔ ہماری بچیاں کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنے بھی جاتی ہیں تو پردہ کی پوری رعایت ملحوظ رکھتی ہیں۔ تین بچیاں ہمارے ساتھ گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پڑھنے جاتی تھیں۔ تمام اساتذہ جن میں اشد ترین مخالف بھی شامل تھے یہ کہتے تھے کہ ربوہ سے آنے والی بچیاں صحیح پردہ کرتی ہیں۔ فی زمانہ پردہ بھی احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔

خلافت سے محبت کا تعلق

ان تمام باتوں کے علاوہ احمدیہ کلچر کا محور امام وقت کی ذات ہے۔ خلافت کے ساتھ تعلق جماعت احمدیہ سے خاص ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے جماعت میں مرکزیت قائم ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی وفات کے بعد یہی چیز جماعت مین تفرقہ کا موجب ہوئی کہ کچھ لوگ خلافت کی بجائے انجمن کی حاکمیت کے قائل تھے اس لئے علیحدہ ہو گئے اور اس ایک صدی میں اپنا تشخص کھو بیٹھے۔ جماعت احمدیہ کے بڑے حصہ نے اس وقت بھی اور بعد کو بھی خلافت کے ساتھ ناقابل شکست تعلق قائم رکھا اور تعلق نے جماعت کو دن دونی چوگنی ترقی سے ہمکنار کیا۔

جماعت احمدیہ میں خلافت کا تصور دنیا کی دوسری اماموں سے یکسر مختلف ہے۔ یہ کوئی سیاسی امامت یا راہنمائی کا مسئلہ نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی گدی نشینی کا سلسلہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پہلے حضور حضرت حکیم مولوی نور الدین نہ ہوتے۔ پچاس کی دہائی میں جماعت میں جو فتنہ منافقین پیدا ہوا اس میں بھی ان لوگوں نے خلافت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے اور پھیلانا چاہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خائب و خاسر کیا۔ جماعت کی خلافت کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ یہ کوئی کتابی بات نہیں۔ ہم لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر یہ معجزہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خلافت کا انتخاب کرتا اور پھر اس شخص کو جسے خلافت کے لئے چنتا ہے اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ساتھ ہمارا

استادی شاگردی کا تعلق بھی رہا۔ ان کے ساتھ بطور ماتحت کام کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ مگر جس روز وہ خلافت پر فائز ہوئے ان کی شخصیت اس طرح بدل گئی کہ گویا پرانے مرزا ناصر احمد کا وجود ختم ہو کر کسی نئے مرزا ناصر احمد نے جنم لیا ہو۔ ان کی ساری سختی ملائمت میں بدل گئی۔ ہم نے پہلی بار ان کی بیعت کی تو محسوس ہوا کہ ان کی آواز بھی بدل گئی ہے۔ ان کی زبان سے کوئی اور بول رہا ہے۔ پہلا خطبہ دینے کے لئے آئے تو ساری جماعت دم بخود رہ گئی .... ہم اپنے دوستوں سے کہا کرتے ہیں کہ ہم اس بات کے عینی گواہ ہیں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ میں اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ پروفیسر حمید احمد خاں، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ربوہ تشریف لائے تو حضرت صاحب سے ملاقات کے بعد حیران رہ گئے۔ جاتے ہوئے حیرت سے مجھے کہا "پروازی! یہ وہ مرزا ناصر احمد تو نہیں ہیں۔"

احمدیہ کلچر کا ایک حصہ خلافت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ بچوں کو بڑوں کو سب کو ہی خلافت کے مرتبہ کا ادراک ہے۔ جماعت جانتی ہے کہ خلافت سے تعلق ہی جماعت کی زندگی کا ضامن ہے۔ لوگ امام کے ہاتھ چومتے ہیں اس کے سامنے سجدے نہیں کرتے۔ اس کے پاؤں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

جماعت احمدیہ کے لوگ خلیفہ کو کوئی مافوق الفطری وجود نہیں مانتے۔ ہاں انہیں اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا امام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اس لئے وہ ہر مسئلہ میں اس کی رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں ہر مسئلہ میں اس کی ہدایات کی پابندی کرنی ہے۔ خواہ بظاہر اس کی ہدایات ہمیں اپنی رائے کے خلاف ہی نظر آتی ہوں۔ خلافت کے ساتھ اطاعت کا غیر مشروط اور ناقابل شکست تعلق احمدیہ کلچر کی بنیاد ہے۔ ساری مرکزیت کا بنیادی نقطۂ امام کی ذات ہے اور بس۔ جماعت کو یہی تعلق بس ہے"۔

مالی قربانی

اور اب بات وہاں آگئی جہاں سے جماعت کے وسائل کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ ساری دنیا حیران ہے کہ اس جماعت کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آجاتے ہیں کہ اس نے دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں۔ اور اب تو لوگ اور بھی زیادہ جلنے لگے ہیں کہ ٹی وی اسٹیشن قائم کرنا تو بہت ہی مہنگا سودا ہے جماعت نے یہ کام کیسے کر لیا ہے؟ لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ تو ہمیں بھی نہیں آتی کیونکہ خدائی کام ہیں انسانوں پر ان کا انحصار نہیں ہوتا مگر کچھ نہ کچھ تو اس بارہ میں ہوتا ہی ہے نا!

اس صدی کی تیسری دہائی میں ایک بہت بڑے ادیب قادیان تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو اپنے اخبار میں مضمون لکھا جس میں طنزاً لکھا کہ قادیان میں تو درختوں پر بیٹھی چڑیاں بھی "چندہ چندہ چندہ چندہ" پکارتی تھیں۔ بات ٹھیک ہے۔ جماعت کے مالی وسائل کا انحصار چندہ پر ہے۔ ہر شخص اپنی آمد کا سولہواں حصہ اور اگر موصی ہے تو دسواں حصہ جماعت کو دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر جب بھی جماعت کو ضرورت ہوتی ہے امام تحریک کرتا ہے اور جماعت اس کی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ جماعت نے ان چھوٹے چھوٹے چندوں سے بڑے بڑے کام کر لئے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ نے تو ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کا بھی ذکر احسان مندی کے جذبات سے کیا ہے۔

دو چار برس پہلے ہماری ایک نظم الفضل انٹر نیشنل میں شائع ہوئی۔ زمین تھی

"رکے بھی ہیں کبھی مولا کے کام بندوں سے؟"

اس میں ایک شعر آگیا جو کچھ یوں تھا کہ جو کام تم دولت و ثروت کے باوجود نہ کر سکے

"یہ کام کر لیا ہم نے حقیر چندوں سے"

اس کا سادہ سا مطلب دیگر لوگوں کی دولت و ثروت اور جماعت کے غریبانہ وسائل کے موازنہ کرنا تھا مگر حضرت صاحب کو چندہ کے ساتھ حقیر کا لفظ پسند نہیں آیا۔ حضرت صاحب نے ہمیں خط لکھا کہ "چندے کبھی حقیر نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے ساتھ ایسا لفظ بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے" امام کو جماعت کے چندوں کی کتنی غیرت ہے! اور درست ہے! جماعت اس کی آواز پر ہر حال میں لبیک کہتی ہے تو اس کی کوششیں حقیر کیسے ہو سکتی ہیں!

احمدیہ کلچر کا نمایاں پہلو قربانی کا جذبہ ہے۔ عورتیں ہوں یا مرد، بڑے ہوں یا چھوٹے، سب ہی اپنے اپنے میدان میں مالی و جانی قربانیاں کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ یہی چیز دوسروں کو حیرت میں ڈالتی ہے۔

آیئے آج آپ کو ایک عبرت آفریں کہانی سنائیں جسے عربی زبان کے مشہور کہانی نگار عبدالبدیع صفر نے لکھا ہے اور محترمہ نسرین جمال نے قارئین جہاں میں ہوں کی تفنن طبع کے لئے ترجمہ کیا ہے ....شاید کہ کسی دل میں اتر جائے یہی بات

جزیرہ نمائے عرب کے کسی شہر میں حماد نامی ایک مالدار تاجر رہتا تھا۔ جس کا شہر کے عمائدین میں شمار ہوتا تھا۔ شہر کے وسط میں اس کا ایک عالیشان مکان تھا جس میں وہ اپنی وفا شعار بیوی اور تین بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے بیٹے اپنے باپ کا بہت عزت و احترام کرتے تھے اور اس کے وسیع کاروبار میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ حماد کو تمام دنیوی آسائشیں میسر تھیں اور وہ اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ بڑی آسائش کی زندگی گزار تا تھا۔ .... وہ حسب معمول ایک دفعہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ مال و اسباب کو لے کر سفر پر روانہ ہوا۔ دو ماہ بعد وہ اپنے سازو سامان کو اچھے داموں فروخت کر کے اور اونٹوں پر اناج لاد کر جب واپس گھر لوٹا تو ایسا بیمار پڑا کہ سب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کی جان بچانے کے لئے شہر کے تمام حکیموں اور ویدوں کو گھر پر جمع کیا اور اس کے علاج معالجے پر پانی کی طرح دولت بہائی۔ اطباء اور حکماء نے اس کے لئے جتنی بھی قیمتی سے قیمتی دوائیں تجویز کیں وہ دوائیں ہر قیمت پر حاصل کر کے فراہم کیں۔ لیکن معالجوں کی تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں اور تاجر بالآخر راہئ ملک عدم ہوا

وفات کے بعد

تاجر کی گردن ایک طرف کو ڈھلکتے ہی اس کے تمام معالج اپنے ہاتھوں کو ملتے اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فیس کے نام پر بڑی بڑی رقمیں اپنے تھیلوں میں ڈال کر چلتے بنے اور ان کے جاتے ہی گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔ بیوہ نے اپنے بال نوچ لئے۔ دونوں ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور بین کرتے کرتے فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔ بیٹوں نے دیواروں سے سر ٹکرائے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ عزیز و اقارب محلے داروں اور حماد کے دوستوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ خود بھی رو رہے تھے اور ساتھ ساتھ اس کے بیٹوں کو تسلیاں بھی دے رہے تھے۔
بڑی دیر کے بعد اشکوں کا یہ سلسلہ تھما اور مرحوم کو اس کی آخری منزل پر پہنچانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ الگ تھلگ کمرے میں تاجر کی بیوہ اور اس کے تینوں بیٹے انتہائی غمزدہ حالت میں موجود تھے۔ ان کے چہروں پر حزن و ملال برس رہا تھا اور ان کے ہونٹ سوکھے ہوئے پتوں کی طرح خشک تھے کہ ان میں سب سے چھوٹے بیٹے نے اچانک کہا...... "ماں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ہم باپ کو قبر میں تنہا چھوڑ دیں۔ ان کی وحشت کے ازالے کے لئے ہم میں سے کسی کو آج رات ان کے ساتھ گزارنی چاہیئے اور میں ان کے ساتھ رات بسر کرنے کو تیار ہوں"۔ ماں نے یہ سن کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا...... بیٹے اپنے رنج و غم میں اور اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر چاہو تو کسی شخص کو اجرت پر آج کی رات (ان کے ساتھ) گزارنے پر مقرر کر دو۔

اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور وہ کمرے سے باہر آ گئے۔ اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ درزی جلدی جلدی کفن سی رہا تھا اور صحن کے ایک کونے میں پردہ کر کے غسال ان کے باپ کو غسل دے رہے تھے۔ بڑا لڑکا چپکے سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ادھیڑ عمر کے شخص کو اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوا۔ جنازہ تیار تھا۔ مردا سے کندھوں پر رکھ کر لے چلے۔ گھر میں ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔ مرنے والے کے تمام عزیز و اقارب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جنازے میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ جو بھی حماد کا جنازہ جاتے دیکھتا جنازہ لے جانے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ اس طرح قبرستان تک ہر لحظہ شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سوگواروں کا قافلہ قبرستان پہنچ گیا۔ اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کو ایک پختہ اور کشادہ قبر میں اتارا اور اسے گلاب کے پھولوں اور کلیوں سے ڈھانپ دیا...... پھر انہوں نے اس ادھیڑ عمر کے آدمی کو شب باشی کے معاوضے کے طور پر

چند اشرفیاں دیں اور اسے بھی قبر میں اتار دیا اور ہوا کے لئے ایک کھڑکی چھوڑ دی اور خود دوسرے لوگوں کے ساتھ قبرستان سے گھر واپس آگئے۔ انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ ان کے باپ کا دل قبر میں تنہائی سے نہیں گھبرائے گا اور اس کا حساب کتاب آسانی سے ہو جائے گا۔ تینوں لڑکے باپ پر رات گزرنے والی کیفیت کا حال جاننے کے لئے اگلی صبح تڑکے ہی قبرستان پہنچ گئے۔ ابھی وہ باپ کی قبر سے دور ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی بڑی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں قبر سے نکلا اور بد حواسی کے عالم میں ایک طرف بھاگنے لگا۔ انہوں نے آوازیں دیں لیکن اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ پھر انہوں نے بڑی مشکل سے گھیر کر اسے پکڑا اور مرحوم کا حال دریافت کرنے لگے۔۔۔۔۔ اس ادھیڑ عمر آدمی نے پہلے ان تینوں شکلوں کو گھور گھور کر دیکھا جب یقین ہو گیا کہ یہ تینوں اسی تاجر کے بیٹے ہیں تو اشرفیاں نکال کر ان کے منہ پر دے ماریں۔۔۔۔۔ میں باز آیا ایسی اشرفیوں سے۔ اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔۔۔۔ یہ لو اپنی اشرفیاں۔ تمہارے باپ کا انجام کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔ اور یہ کہہ کر وہ اپنے آپ کو ان کی گرفت سے چھوڑانے کے لئے زور لگانے لگا۔ مگر وہ اسے مضبوطی سے پکڑے رہے۔ وہ اپنے باپ کے انجام کے بارے میں اس ادھیڑ عمر شخص کی یہ مبہم سی بات سن کر پریشان ہو گئے تھے۔ اور سب یک زبان ہو کر کہنے لگے۔۔۔ خدا کے لئے کچھ بتاؤ کہ تم نے قبر میں کیا دیکھا۔

یہ سن کر اس ادھیڑ عمر شخص نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔ تم لوگوں نے پیٹھ پھیری کہ دو فرشتے آ گئے۔ ایک نے کہا زندہ سے شروع کریں یا مردہ سے۔ دوسرے نے کہا کہ زندہ سے شروع کرتے ہیں۔ یہ صبح ہوتے ہی بھاگ جائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے اس رسی کے بارے میں پوچھا جو میں نے اپنی کمر میں باندھ رکھی ہے۔ میں نے کہا۔۔۔ میں جس باغ کی رکھوالی کرتا ہوں۔ یہ رسی میں نے (وہاں) اگنے والی گھاس سے بنائی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ کونسی گھاس سے؟ وہ گھاس کس کی ملکیت ہے۔ کیا مالک نے تجھے اس کی اجازت دی ہے۔ کیا تو نے رسی بٹنے کے بعد مالک کو بتایا تھا۔ میں سوچنے اور یاد کرنے لگا۔ لیکن مجھ سے ان کے کسی سوال کا جواب بن نہ پڑا۔۔۔۔ وہ مجھ سے مختلف چیزوں کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور سخت عذاب کی دھمکی دے رہے تھے۔۔۔۔۔ پھر انہوں نے جبے کے بارے میں پوچھا۔ عمامہ کے متعلق دریافت کیا۔ اسی طرح پہنے ہوئے کپڑوں کے بارے میں۔ بعد میں انہوں نے قبر کے ایک کونے میں پھٹے پرانے جوتوں کے بارے میں سوال کیا اور سب سے آخر میں اشرفیوں کے بارے میں پوچھا کہ۔۔۔۔۔ تمہیں یہ کس نے دی ہیں۔ تم اس کام کے لئے کیسے تیار ہو گئے۔ کیا ایک رات کی یہ مناسب اجرت ہے؟ ۔۔۔ غرض دونوں فرشتے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے اور میں سکڑا سہما قبر کے ایک کونے میں لیٹا خوف سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں خدا سے جان بخشی کی دعا مانگ رہا تھا۔ اور قبر اس دوران میں رفتہ رفتہ مجھ پر تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ ممکن تھا کہ میں پس جاتا۔ میری ہڈی پسلی سرمہ ہو جاتی کہ صبح ہو گئی اور میں قبر سے نکل بھاگا۔ اور اب میں نے عہد کیا ہے کہ مرتے دم تک حلال روزی کماؤں گا اور نیک عمل کروں گا۔ جب مجھ غریب کا ایک رات میں یہ حال ہوا تو تمہارے باپ کا کیا حال ہو گا۔ وہ تو شہر کا سب سے بڑا اناج کا تاجر تھا۔ اس کے علاوہ سودی کاروبار بھی کرتا تھا۔۔۔۔ وہ سودی کاروبار کرنے والے ایک بینک کا ممبر بھی تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے باپ کا کیا حشر ہو گا اور اسے کب اور کیسے نجات ملے گی۔

میں اب بھی ان فرشتوں کے سوالات اور ان کی نظروں کا تصور کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مرحوم کے مستقبل کے بارے میں مجھے تشویش ہونے لگتی ہے۔

اپنی آپ بیتی ختم کرتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور تیز تیز قدموں سے قبرستان کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ وہ تینوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے باپ کی قبر کی طرف دیکھ رہے تھے

بشکریہ۔ ہفت روزہ "لاہور"

30 اکتوبر 1999

محترم ڈاکٹر راجہ نذیر احمد صاحب ظفر انتقال فرما گئے

ربوہ = 7۔ نومبر 1999ء احباب جماعت کو دلی رنج و افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ محترم ڈاکٹر (ہومیو) راجہ نذیر احمد صاحب ظفر مورخہ 6۔ نومبر 1999ء کو دل کے عارضے سے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی عمر 65 برس تھی۔ آپ کی نماز جنازہ 7۔ نومبر کو بعد عصر بیت المبارک ربوہ میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے پڑھائی جس کے بعد بوجہ موصی ہونے کے آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ میں عمل میں آئی۔ جہاں قبر تیار ہونے پر محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ناظر دیوان نے دعا کرائی۔ نماز جنازہ اور تدفین میں اہل ربوہ اور بیرون جات سے آئے ہوئے احمدی اور غیر از جماعت احباب نے کثرت سے شرکت فرمائی۔ آپ محترم راجہ نصیر احمد صاحب ناظر اصلاح و ارشاد کے بھائی ہیں اور آپ کے دو بیٹے مکرم راجہ رفیق احمد صاحب اور مکرم راجہ رشید احمد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی مرکزی عاملہ کے رکن ہیں۔

احباب سے درخواست دعا ہے کہ محترم راجہ صاحب کی بلندی درجات اور مغفرت کے لئے دعا کریں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نماز تہجد

نماز با جماعت کے علاوہ آنحضور ﷺ باقاعدگی سے نوافل اور نماز تہجد کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ جب سب دنیا سو رہی ہوتی آپؐ اپنے بستر کو چھوڑ کر بے قرار دل کے ساتھ اپنے خالق و مالک اور محبوب ازلی کے حضور حاضر ہو جاتے۔ اور اپنی مناجات پیش کرتے۔ گویا دربار خاص لگ جاتا جس میں آپؐ ہوتے اور سامنے آپ کا رب ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب جو بڑی برکت اور بڑی شان والا ہے ہر رات جب اس کا ایک تہائی حصہ باقی رہتا ہے اس دنیاوی آسمان پر نازل ہوتا ہے۔ اور یہ اعلان کرتا ہے۔

کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اسے جواب دوں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تا میں اسے عطا کروں' اور کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تا میں اسے بخش دوں۔
(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اس قدر دعائیں کرتے اور اس قدر لمبی نماز پڑھتے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ بعض دفعہ کھڑے کھڑے آپؐ کے قدم متورم ہو جاتے اور پھٹنے لگتے۔
(بخاری کتاب التہجد)